Tarikh-e- Dir by Jamil Yosufzai

History of Dir State

Jamil Yosufzai

انتساب

شریر بیٹی

سپرغہ

کے نام

سربفلک پہاڑو!
حسین وادیو!
برفیلے پانیو!
دیر کے باسیو!
سلامت رہو......

فہرست

حروفِ اوّل

حضرت انسان نے اللہ تعالٰی کی ودیعت کردہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے علم، شعور اور مشاہدات کی روشنی میں اپنے تلخ و شیریں ماضی کو اپنے ذہن کے پردوں، غاروں کی دیواروں، پتھر کی سلیٹوں، درختوں کی چھالوں اور کاغذ کے اوراق پر نقش وتحریر کی صورت میں محفوظ کرنا شروع کیا۔ جس کی بدولت ابتدائی تاریخ نویسی کا فن وجود میں آیا۔

تاریخ ایسا آئینہ ہے جس میں کوئی بھی قوم اپنے ماضی کی واضح جھلک دیکھ کر زمانہ حال میں اپنے مستقبل کے لیے واضح، قابلِ عمل اور نتیجہ خیز لائحہ عمل کا تعین کر سکتی ہے۔ اس لحاظ سے تاریخ اور فن تاریخ کو علوم وفنون کی دنیا میں اہم مقام حاصل ہے۔ یہ مسلمہ سچائی ہے کہ جس قوم سے اس کی تاریخ چھین لی جائے۔ اس قوم سے اس کا جغرافیہ چھن جاتا ہے۔

بقول پروفیسر جمیل یوسفزئی:

جو لوگ اپنی تاریخ بھول جاتے ہیں وہاں جغرافیہ اپنا دامن سکیڑ لیتا ہے۔

مستند اور باثبوت تاریخ کچھ لوگوں کو بھلی لگتی ہے مگر اکثریت اس لیے نالاں رہتی ہے کہ ان کے ہاں مزعومہ نظریات، عقائد کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔

اکثر لوگ حقائق کو اس لیے تسلیم نہیں کرتے کہ وہ ان کے قومی تفاخر سے لگاؤ نہیں کھاتے۔ انہوں نے قدامت قوم کے جو کھوکھلے گھروندے بنائے ہیں۔ تاریخی شواہد ان کے خلاف جاتے ہیں۔ کیا کیا جائے؟ یہ جھوٹی انانیت اور نرگسیت کی بیماریاں ہیں۔ جن پر تاریخ کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی؟

اس تاریخی ادراک سے لاعلمی کا اظہار مغل بادشاہ اورنگزیب عالمگیر نے ان الفاظ میں کیا:

کاش! مجھے تاریخ کا علم پڑھایا گیا ہوتا تو میں زیادہ کامیاب حکمران ثابت ہوتا۔

نامور مورخ ڈاکٹر مبارک علی اسی تناظر میں لکھتے ہیں:
اگر انسان ماضی سے کٹ جائے تو وہ جاہل ہو جائے گا۔
بقول سر ڈاکٹر علامہ محمد اقبال:

وہ قوم نہیں لائق ہنگامہ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

اقوام وقبائل پر انگریز مصنفین نے تعصب کا وہ بے رحم کلہاڑا چلایا کہ صدیوں سے باہم رہنے والے لوگوں کو پراگندہ اور منتشر کر کے رکھ دیا۔ سنی سنائی باتوں پر میراثیوں، بھانڈوں کے خودساختہ رٹے رٹائے شجرے، ذاتی پسند ناپسند کی بنیاد پر انساب کی نئی عمارت کھڑی کی اور قبائل کو اعلیٰ وادنیٰ، مقامی وبیرونی کہہ کر نفرت اور تنگ نظری کی دیوار کھڑی کردی۔ حامیوں کو من چاہی اقوام میں درج کر کے ان کو انسانیت کے مقام سے ہٹا کر سورج اور چاند کی اولاد بنایا گیا۔ جبکہ اپنے مخالفین سے (جنہیں وہ باغی کہتے تھے) ہر برائی اور خامی منسوب کر کے ان کو پامال کیا گیا۔ عربی وعجمی، گورے اور کالے کا وہ تصور جسے دین اسلام نے مسترد کردیا تھا۔ پھر سے بحال کر کے ایک قوم کو دوسری قوم سے دست وگریباں کردیا۔

حسب ونسب پر بے جا فخر اور علاقائی بنیاد پر نفرت اور بغض رکھنا، اپنی بڑائی اور کبریائی کے بلند وبانگ دعوے کرنا اور اپنے آپ کو اعلیٰ نسل سے منسوب کر کے دوسرے کو کم تر اور کمینہ سمجھنا ہندوازم کا فلسفہ اور برہمن ازم کا نعرہ تھا۔ اسلام کسی کو اپنا نسلی قبیلہ چھپانے اور اپنے نسب کو دوسرے سے جوڑنے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

جو آدمی اپنے آپ کو اپنے ماں باپ کے علاوہ کسی اور سے منسوب کرے اور وہ اس بات کو جانتا بھی ہو تو وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے کفر کرتا ہے اور جو آدمی ایک ایسی قوم سے ہونے کا دعویٰ کرتا ہے جس میں اس کا کوئی رشتہ دار نہ ہو تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا کہ اسے پتہ ہو کہ وہ اس کا بیٹا نہیں تو اس بندے پر جنت حرام ہے۔

ہر انسان کو چاہئے کہ وہ فخر کے ساتھ اپنے آپ کو اپنے باپ دادا کے ساتھ جوڑے۔ وجہ یہ ہے کہ اسلام نے متبنیٰ کے قانون کو ختم کیا ہے اگر کسی کے باپ معلوم نہ ہو تو اپنے آپ کو اپنی ماں کے نام سے یاد کیا کرے اور اگر ماں باپ دونوں سے محروم ہو تو اپنے آپ کو ان لوگوں سے منسوب کرے جنہوں نے اسے آزاد کیا ہے۔ یعنی جس کا وہ غلام ہو۔ اسلام کسی صورت میں بھی نسب تبدیل کرنے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ یہ انسانیت کی تذلیل ہے۔ پیغمبر مہربان نے آج سے تقریباً پندرہ صدیاں پہلے حجۃ الوداع کے تاریخی خطاب میں حسب ونسب کے تمام بتوں کو پاؤں تلے روندنے کا اعلامیہ جاری کر کے تمام امت مسلمہ کو جسد واحد قرار دیا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لوگو ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے جدا جدا خاندان اور قومیں بنائی ہیں (باہم شناخت کے لیے) نہ کہ تکبر کے لیے، بے شک عزت دار تو اللہ کے نزدیک تم میں وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ جاننے والا اخبر دار ہے۔ (سورۃ الحجرات)

خطہ سرزمین جسے آج ہم دیر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ قدرت خداوندی کا ایک انمول شاہکار ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہاں دریا، نہریں، آبشاریں، جھیلیں، چشمے اور پہاڑ موجود ہیں۔ تاریخی لحاظ سے اگر نظر دوڑائیں تو یہاں قدم قدم پر ایسے ایسے آثار قدیمہ سامنے آتے ہیں۔ جن کا کوئی ثانی نہیں۔

خطہ دیر میں آثار قدیمہ کے بے شمار شواہد وآثار سے اندازہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے آریا لوگ یہاں آباد ہوئے۔ جن کے آثار بلامبٹ تیمرگرہ میں قبروں اور آتش کدوں کی صورت میں ملتے ہیں۔ آریاؤں کے دور کے بعد چھٹی صدی قبل مسیح میں یونانی اس علاقے کی طرف متوجہ ہوئے۔

۵۲۷ قبل مسیح میں یونانی نژاد جنرل سکائکس کو سمندری حدود معلوم کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ جس کے بعد قافلہ در قافلہ لوگ یہاں آئے اور آباد ہوتے رہے۔

سکندر مقدونی کے لشکر کے دور میں دیر سپاسی، اساکینی اور گوجر اقوام کا مسکن تھا۔ اس وقت علاقے کا اہم شہر مساگا، موجودہ تالاش تھا، جس میں اساکینی قبائل آباد تھے۔ اس شہر کے نواح میں سکندر مقدونی کی فوج اور اساکینوں کے مابین زبردست لڑائی ہوئی۔ جس میں سکندر مقدونی خود بھی زخمی ہوا۔ سخت لڑائی کے بعد صلح ہوئی۔ تاہم صلح کے باوجود سکندر مقدونی نے رات کی تاریکی میں آبادی پر یلغار کر کے ان کو تہ تیغ کردیا اور دریائے سوات عبور کر کے بازیرا، بریکوٹ جا پہنچا۔

یونانیوں کے بعد موریہ، باختری، یونانی، کشان (کسانہ گوجر) ہلمانی، ہندوشاہیہ (گوجر) اور مسلم حکمرانوں کے دور میں گندھارا آرٹ کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ کشان (کسانہ گوجر) دور کے زیادہ آثار قدیمہ چکدرہ عجائب گھر میں محفوظ ہیں۔ کشان (کسانہ گوجر) کے بعد ساسانی، کیداری، سفید ہن اور ہندوشاہیہ (گوجر) حکمران یکے بعد دیگرے دیر آئے اور قدم جمائے۔

۱۰۰۳ء میں سلطان محمود غزنوی نے دیر سے ہندوشاہیہ (گوجر) خاندان کا صفایا کردیا اور اسے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔

۱۵۱۸ء میں ظہیر الدین بابر نے کابل اور باجوڑ کے بعد دیر کو بھی فتح کرلیا۔ سترہویں صدی کے اوائل میں ملیزئی قبیلے کے روحانی پیشوا اور جد امجد اخون الیاس نے دیر پر قبضہ کر کے باقاعدہ ایک خود مختار ریاست کی بنیاد رکھی۔ نواب محمد شریف کے دور تک دیر سکھوں اور انگریزوں کے خلاف جنگی محاذ کا مرکز بنا رہا۔

۱۸۷۹ء میں غازی عمرا خان جب تخت نشین ہوا تو انہوں نے ایک بار پھر انگریزوں کے خلاف جہاد شروع کیا۔ چنانچہ ردعمل کے طور پر انگریز فوج ان کے خلاف صف آرا ہوئی۔

۱۸۹۵ء میں عمرا خان اور انگریزوں کے مابین خونریز جھڑپ ہوئی۔ تاہم عمرا خان اپنوں کی غداری کی وجہ سے شکست خوردہ ہوئے۔

سابق برطانوی وزیر اعظم ونسٹن چرچل اس لڑائی میں بطور رپورٹر شامل تھا۔ ان کے نام سے چرچل پکٹ آج بھی چکدرہ میں دمکوٹ کی پہاڑی پر محفوظ ہے۔ عمرا خان کی شکست کے بعد پھر دیر کی خود مختار ریاست بحال کردی گئی۔ تاہم ریاست کے حکمران انگریزوں کی وفاداری پر مجبور تھے۔

اس وفاداری کے عوض ۱۹۲۲ء میں انگریزوں نے علاقہ ادینزئی کو سوات سے چھین کر دیر میں شامل کردیا۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان معرض وجود میں آیا تو اگلے سال ہندوستان نے کشمیر پر چڑھائی کی۔ دیر کی عوام نے جہاد کشمیر میں بھرپور حصہ لیا اور ایمانی جذبہ کے ساتھ فتح و نصرت حاصل کی۔ اس طرح ریاست دیر کے عوام نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے مقبوضہ کشمیر کے علاقوں میر پور، دھرم سالہ اور نوشہرہ وغیرہ کے محاذوں پر فتح حاصل کی۔ ہزاروں مجاہدین کی قبریں آج بھی کشمیر میں موجود ہیں۔

۱۹۶۰ء میں نواب شاہجہان کو گرفتار کیا گیا تو حقیقت میں ریاست دیر کی خود مختاری ختم ہوگئی۔ ۱۹۶۷ء تک ریاست دیر پر نواب محمد شاہ خسرو خان بدستور برسر اقتدار رہے۔ البتہ ان کے دور میں فلاحی کاموں کا آغاز ہوا۔ تعلیمی ادارے، ہسپتال اور سڑکیں وغیرہ تعمیر ہونا شروع ہوئیں۔

۱۹۶۹ء میں ریاست دیر کی جداگانہ حیثیت کو ختم کر کے اسے باقاعدہ ایک ضلع کی حیثیت سے پاکستان میں شامل کیا گیا۔

۱۹۶۹ء میں آبادی کی بہتات اور انتظامی دشواریوں کے باعث دیر کو دو اضلاع میں تقسیم کیا۔ انگرام چیک پوسٹ سے لے کرلواری ٹاپ تک دیر بالا، جس میں تحصیل واڑی، تحصیل دیر، تحصیل براول، تحصیل کلکوٹ، کوہستان دیر بالا کے علاقے شامل ہیں۔

جبکہ تحصیل خال، تحصیل بلامبٹ، تحصیل تیمر گرہ، تحصیل لال قلعہ، تحصیل منڈہ اور تحصیل ادینزئی کے علاقے دیر پائین میں شامل ہیں۔

مورخ جب تاریخی حقائق پر جمی گرد جھاڑ کر حقائق کو پوری صحت کے ساتھ صفحہ قرطاس پر لاتا ہے تو بعض لوگوں کو یہ حقائق بہت تلخ لگتے ہیں۔ تو وہ ان حقائق سے راہ فرار کے لئے عجیب و غریب توجیہہ پیش کرتے ہیں۔

پروفیسر موصوف بغیر لگی لپٹی کے اصل حقائق کے حامی ہیں۔ اس لیے ان کی تحقیق کاوشیں اکثر خود ساختہ قدامت پسندوں کے من کو نہیں بھاتیں۔

بقول سرڈاکٹر علامہ محمد اقبال:

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

تاریخ دیر ایک تاریخی دستاویز ہے۔ جو مصنف موصوف نے بڑی عرق ریزی کے بعد مستند تاریخی حوالوں سے قارئین کے سامنے پیش کی ہے۔ پروفیسر موصوف کی یہ تاریخی کاوش محققین ،مورخین اور تاریخ کیطالب علموں کے لیے بنیادی ماخذ کا کام دے گی۔

تاریخ وتہذیب سے متعلق پروفیسر جمیل یوسفزئی کی یہ چوتھی کتاب ہے۔ اس قبل ان کی تین کتابیں ''پشتون ایرانی نژاد''، ''مملکت یوسفزئی کے قبائل'' اور ''یوسفزئی تہذیب... سولھویں صدی میں'' شائع ہو کر ملک کے عوامی حلقوں سے دادو تحسین اور پذیرائی حاصل کر چکی ہیں۔

پروفیسر جمیل یوسفزئی مورخ و محقق ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین نقاد، ادیب اور شاعر بھی ہیں۔ آپ کے تاریخی، تحقیقی اور علمی مضامین مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ آپ نے کئی سیمناروں اور کانفرنسوں میں اپنے تاریخی، تحقیقی اور علمی مقالات پیش کیے۔

اللہ تعالیٰ کرے زور قلم اور زیادہ۔

میاں مختار احمد کھٹانہ

☆......☆......☆

چند باتیں

پشتو زبان وتاریخ پر مستشرقین کے لاتعداد احسان ہیں، پشتون تاریخ کی بازیابی اور استناد کے لیے ہمیں ان کی کتابوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ ضلع دیر کی تاریخ وثقافت کے قدیم حوالے بھی انگریزی عہد سے آگے نہیں بڑھے۔ اگرچہ تاریخ حافظ رحمت خانی میں دیر اور دیر کے لوگوں کا ذکر موجود ہے مگر وہ اتنا سرسری تذکرہ ہے جس سے قاری کو تشنگی وتجسس کا احساس کم ہونے کے بجائے بڑھ جاتا ہے۔ ہاں تزک بابری میں کسی حد تک تفصیلات موجود ہیں۔

البتہ ڈاکٹر بیلو کے ہاں ہمیں دیر کا قدرے تفصیلی ذکر ملتا ہے مگر یہ اس زمانے کی بات ہے جبکہ دیر خاص کی آبادی ۳۵۰ گھروں تک محدود تھی۔ میجر راورٹی نے دیر کے دروں اور نالوں کا ذکر خوبصورت انداز میں کیا ہے لیکن ان تاریخی خاکوں وخلاصوں کا ایک مقصد، انگریز حکومت کے مفادات تھا۔ اسی وجہ سے یہ کتابیں ہر لحاظ سے مکمل نہیں کہلائی جاسکتیں۔

دیر کی قدیم تاریخ پر یہ کتاب، شاید پہلی کوشش ہے۔ اسی وجہ سے فروگذاشتوں اور خامیوں کا امکان رد نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم اس خطے کی تاریخ نویسی میں یہ کوشش ایک نئی جہت کی پردہ کشائی ضرور کرے گی۔

مجھے یقین ہے کہ قارئین، میری کوتاہیوں کی نشاندہی کرنے میں کوئی رو، رعایت نہیں برتیں گے۔ اگر میری یہ تحریر، اضافہ علم کا باعث ہو سکے تو میں اسے اپنا صلہ سمجھوں گا۔

جمیل یوسفزئی

۱۰ جون ۱۹۹۴ء

☆......☆......☆

....

جولوگ اپنی تاریخ بھول جاتے ہیں وہاں جغرافیہ اپنا دامن سکیڑ لیتا ہے۔

....

مستند اور باثبوت تاریخ کچھ لوگوں کو بھلی لگتی ہے مگر اکثریت اس لیے نالاں رہتی ہے کہ ان کے ہاں مزعومہ نظریات، عقائد کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔

....

....

اکثر لوگ حقائق کو اس لیے تسلیم نہیں کرتے کہ وہ ان کے قومی تفاخر سے لگا نہیں کھاتے۔انہوں نے قدامتِ قوم کے جو کھوکھلے گھروندے بنائے ہیں۔تاریخی شواہد ان کے خلاف جاتے ہیں۔کیا کیا جائے؟

یہ جھوٹی انانیت اور نرگسیت کی بیماریاں ہیں۔جن پر تاریخ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی؟

....

باب:۱

وجہ تسمیہ دیر

۱۔ دیر کے لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں پرانے زمانے میں مشرکین کی عبادت گاہیں تھیں۔ دیر کے معنی عربی میں خانقاہ کے ہیں۔ بعد میں یہ لفظ، فارسی اور اردو میں بھی در آیا۔اسی وجہ سے اس علاقے کا نام دیر، (خانقاہ) پڑ گیا جو مرورِ زمانہ کے ساتھ دیر (Dir) ہو گیا۔

۲۔ دیرگھ، سنسکرت میں بلند اور طویل کے معنوں میں آتا ہے۔مشہور لغت شناس خالد احمد کا خیال ہے کہ دیر بلند و بالا پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔اسی وجہ سے دور سنسکرت میں یہ نام پڑ گیا۔جو وقت کے ساتھ ساتھ دیرگھ سے دیر بن گیا۔

۳۔ پشتو اکیڈیمی کے ڈائریکٹر جناب محمد نواز طاہر لکھتے ہیں کہ قدیم کافرستان کے علاقے میں دیر بھی شامل تھا جہاں کے لوگ مختلف معبودوں کی پوجا کرتے تھے۔حتیٰ کہ ان میں ارواح پرستی بھی تھی۔ان کے ابوالاباء کا نام دیہر تھا جس کے مرنے کے بعد اسے دیوتا کا مقام مل گیا۔

دیہر کے نام پر یہ علاقہ بھی دیہر مشہور ہو گیا، جو بعد میں ''دیر'' رہ گیا۔چونکہ پشتو میں ہائے ہوز ''ھ'' کا تلفظ نہیں ہے۔اسی وجہ سے دیہر دیر بننا بعید از قیاس نہیں ہے۔

۴۔ ڈاکٹر وی۔ ایس اگروالا نے دیر کو دویراوتی سے منسوب کیا ہے۔جس کے معنی اس زمین کے ہیں جو دو دریاؤں سے گھری ہوئی ہو۔

راقم الحروف کی رائے

۵۔ دیر کا لفظ بہت قدیم ہے اور شاید داردی زبان سے یادگار ہے۔اس نام کے دیگر قصبات زمانہ قدیم میں موجود تھے۔جن میں سے دیر کوٹ درہ بولان کے راستے میں مشہور مقام تھا۔سکندر اعظم کے مورخین نے دیرتا کا ذکر کیا ہے جہاں موصوف نے ایک جنگ لڑی تھی۔

ہیروڈوٹس جسے تاریخ کا ابوالاباء مانا جاتا ہے۔ گندھارا کے شمالی باشندوں کے لیے دردائی کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

یہ لوگ گندھارا کے شمالی پہاڑوں پر بود و باش رکھتے ہیں۔

مشہور وقائع نگار میگستھنیز نے انہیں دیردائی لکھا ہے...... یہی نام بعد کے مورخین نے دردستان کی اصطلاح میں استعمال کیا جسے کافی مقبولیت حاصل ہو گئی۔

مندرجہ بالا شواہد کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ دیر ایک بہت پرانا نام ہے جس کا تلفظ مختلف زمانوں میں مختلف رہا ہے۔

لیکن دیر کے نام سے زمانہ قدیم میں، موجودہ دیر کی ریاست کبھی مشہور نہیں رہی۔ ابتداً دیر درہ دیر کے لیے بولا جاتا تھا۔ چونکہ یوسفزیوں نے ریاست دیر کی داغ بیل ڈالی تھی۔ اسی وجہ سے رفتہ رفتہ ان کا تمام مفتوحہ علاقہ دیر مشہور ہو گیا جسے ریاست کے ختم ہونے پر ایجنسی اور بعد میں ضلع کا درجہ مل گیا۔

دیر کے دیگر نام

ا۔ بلورستان

سورج نکلتا ہے تو کوہستان دیر کی برفانی چوٹیاں جگمگ جگمگ کر اٹھتی ہیں۔ ان خوبصورت مناظر نے ہمیشہ فاتحین اور مورخین کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی ہے۔

مرزا محمد حسن خان لکھتے ہیں کہ:

میں رشید سلطان کے عہد میں سلطان سعید خان کی مہم کے ساتھ بلورستان گیا وہاں کے لوگوں کو ہم نے مطیع کیا اور بہت سا مال غنیمت لے کر واپس لوٹے۔

وہ بلورستان کا حدود اربعہ یوں بیان کرتے ہیں۔

مشرق میں کاشغر اور یارقند، شمال میں بدخشاں، مغرب میں لغمان اور کابل جنوب میں سواد (سوات)۔ اس حدود اربعہ کے اندر جو علاقہ آتا ہے۔ اس میں دیر یقیناً شامل ہے۔ چونکہ رشید سلطان، ظہیر الدین محمد بابر کا رشتہ دار تھا۔ اسی وجہ سے ہم یہ نتیجہ بجا طور پر اخذ کر سکتے ہیں کہ ۱۵۲۶ء کے لگ بھگ اسی علاقے کا نام بلورستان تھا۔

۲۔ کافرستان

مسلمانوں نے افغانستان اور پاکستان کے علاقے فتح کیے تو وہ لوگ جنہیں اپنا آبائی مذہب عزیز تھا۔ کوہستانوں میں پناہ گزیں ہو گئے۔ اس نقل مکانی سے اگر ایک طرف وہ اپنا مذہب بچا رہے تھے تو دوسری طرف وہ تاریخ دہرا رہے تھے کیونکہ ان علاقوں میں بارہا ایسے واقعات پیش آ چکے ہیں۔

مسلمانوں نے ان دشوار گزار پہاڑوں میں رہنے والے لوگوں کو ہمیشہ "کافر" کے نام سے یاد کیا ہے، دیر خاص اور کوہستان دیر بھی کسی زمانے میں کافرستان کی حدود میں تھا۔ کافرستان کی حدود واضح اور متعین کبھی نہیں تھیں۔ بس جو لوگ مسلمانوں کے ہم مذہب نہیں تھے۔ وہ کافر اور ان کا ملک کافرستان کہلاتا تھا۔

کوہستان دیر کے لوگوں نے بہت بعد میں اسلام قبول کیا ہے۔ ان کے قبیلوں اور ذاتوں کے نام اب بھی پرانی زبان کی یادگار ہیں۔ کوہستان دیر کا صدر مقام "شرین گل" ہے۔ واضح رہے کہ باذگل، ورگل، مندوگل، پڑگل اور شیدگل کسی زمانے میں کافرستان کے دیہات کے نام تھے۔

البتہ کوہستان دیر کے لوگ "سفید کافر" کہلاتے تھے جبکہ چترال اور شمالی علاقہ جات کے لوگ "سیاہ پوش کافر" کہلاتے تھے۔ نیز نورستان بھی کافرستان کا حصہ تھا۔ جو اب افغانستان میں آتا ہے۔

ان ناموں کے علاوہ فاتحین نے مختلف اوقات میں اس خطہ سرسبز کو مختلف نام دیے ہیں مثلاً سکندر مقدونی کے مورخین نے دیر زیریں کو "گورائے" کا نام دیا ہے جبکہ ویدوں میں پنجکوڑا کا نام گوری مذکور ہے۔ ظہیر الدین محمد بابر دیر زیریں کو باجوڑ میں شامل سمجھتا ہے۔ دیر بالا کے لیے وہ پنجکوڑا کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ مغل مورخین نے دیر، سوات اور باجوڑ کے علاقوں کو ہمیشہ کوہستان اور یاغستان کے ناموں سے یاد کیا ہے۔

دراصل باجوڑ، دیر کی نسبت میدانی علاقہ ہے۔ اس لیے یونانی باختری بادشاہوں کے بعد یہاں ازلیس اول کی حکومت قائم ہوئی تھی۔ باجوڑ سے ایک گھڑا نما برتن برآمد ہوا ہے۔ جس پر بدھ مت کے ایک خاندان "اپاری" کے نام ہیں۔ یہ پتھر کا بنا ہوا گھڑا نما برتن ہے۔ جسے "باجوڑ کاسکیٹ" کہتے ہیں۔

☆......☆......☆

باب:۲

جغرافیہ دیر

محل وقوع

ضلع دیر ۳۸۔۳۴ عرض بلد شمالی تکاور ۳۰۔۱۷ سے لے کر ۲۲۔۲۷ طول بلد مشرقی تک پھیلا ہوا ہے۔اس کا کل رقبہ ۵۲۸۲ مربع کلومیٹر ہے۔

حدود اربعہ

دیر کے شمال اور شمالی مغرب میں ضلع چترال واقع ہے۔مشرق میں ضلع سوات کی دلفریب وادیاں ہیں۔مغرب میں باجوڑ ایجنسی اور افغانستان ہے۔جنوب میں مالاکنڈ ایجنسی اور جنوب مغرب میں باجوڑ ایجنسی واقع ہے۔

سطح (Topography)

چنداول (جندول) میدان اور وادی تالاش کے سوا، دیر کا باقی علاقہ تقریباً پہاڑی سلسلوں پر مشتمل ہے۔

دیر کو ہم پانچ خطوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔کوہستان،۲۔میدان،۳۔جندول،۴۔وادی تالاش (اونیزی)۵۔خدکزی۔

دریائے پنجکوڑا۔ضلع دیر کو تقریباً دو برابر برابر حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔تالاش کے قریب یہ دریا مغرب کی طرف مڑ کر ایک تنگ گھاٹی میں داخل ہو جاتا ہے جس کی ایک جانب باجوڑ ایجنسی اور دوسری جانب ضلع دیر ہے۔

پہاڑ

ضلع دیر کے پہاڑ کوہ ہندوکش کی شاخ ہندوراج پر مشتمل ہے۔یہ سلسلہ کوہ شمال سے جنوب کی طرف پھیلتا گیا ہے۔شمال سے ہم جوں جوں جنوب کی طرف بڑھتے ہیں۔اس کی بلندی کم ہوتی جاتی ہے۔

چوٹیاں(Peaks)

چوٹیوں کے نام	بلندی/فٹ
۱۔شنگارا کنڈاؤ	۱۲۲۱۴
۲۔سندراول	۱۲۸۰۷
۳۔لواری	۱۰۵۰۰
۴۔گینس نمر	۱۳۶۷۶
۵۔زخمی کنڈاؤ	۱۱۴۳۳
۶۔ڈباری سر	۱۳۳۳۹
۷۔بیو کنڈاؤ	۱۳۲۳۷
۸۔آلوآن	۱۴۰۶۹
۹۔کشوآن	۱۳۲۹۹
۱۰۔انسٹوکوہ آن	۱۴۷۸۸
۱۱۔اند	۱۸۸۶۰
۱۲۔من آن	۱۶۱۴۴

سوات اور دیر کے درمیان راستے

سوات	تا	دیر
۱۔بریکو	تا	انگرام

۲۔ تھانہ	اوچ	کوٹیگرام رباط
۳۔ تھانہ	اوچ	تالاش

پرانے زمانوں میں ان راستوں کے ذریعے آمدورفت ہوتی تھی۔ بڑی سڑک بننے کے بعد، ان راستوں پر آمدورفت کم ہوگئی ہے۔

ضلع دیر کا تمام دارومدار اس جرنیلی سڑک پر ہے جو چکدرہ سے براستہ تیمرگرہ دیر تک جاتی ہے جس کی لمبائی چکدرہ سے دیر تک ۱۱۵ کلومیٹر ہے۔

آباد درے

۱۔ درہ دیر

یہ درہ چکیاتن سے لواری ٹاپ تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ تنگ اور پرخطر درہ ہے۔ سال بھر یہاں موسم شدید رہتا ہے۔ سردیوں میں زبردست برف باری ہوتی ہے البتہ مئی سے لے کر ستمبر تک یہاں کا موسم انتہائی خوشگوار ہوتا ہے۔

کوہ لواری سے ایک تیز و تند ندی نکلتی ہے جو چکیاتن کے پاس دریائے بشکور کے بلوریں پانی میں ملتی ہے، پرانے زمانے میں اسی درے سے پشاور اور سوات کے سوداگر لدے پھندے چترال اور گلگت کی طرف جاتے تھے۔ چترال ان وقتوں میں قاشقار کے نام سے مشہور تھا۔

۲۔ درہ بشکار (کوہستان دیر)

یہ درہ تنگ اور طویل ہے۔ یہاں کی چوٹیاں ہر موسم میں برف پوش رہتی ہیں۔ یہ درہ چکیاتن سے شروع ہو کر حسین قدرتی چمنوں پر ختم ہوجاتا ہے۔

تھل اور کمراٹ اس درہ کے خوبصورت ترین مقامات ہیں۔ یہاں کا دریا الھڑ دوشیزہ کی طرح اپنی مرمریں موجیں، چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر اپنے لئے راستہ بناتا ہے۔

تھل اور لاموتی میں صوبہ سرحد کے خوبصورت ترین جنگل ہیں۔ جن میں مرغ زریں اور چیتے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

کمراٹ سے شندور اور وادی شیشہ تک وادیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ جن پر مقامی لوگوں کی آمدورفت ہوتی ہے۔ ان وادیوں کی خوبصورت نیلگوں جھیلوں میں آبشاریں اپنے پانی چادریں گراتی ہیں۔

کمراٹ کا حسن الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتا۔ البتہ اس دلکش سیرگاہ کو ہم ''قدرت کا شاہکار'' کہہ سکتے ہیں۔ سیاح جب یہاں کی برف پوش چوٹیاں نیلگوں پانیوں میں منعکس دیکھتے ہیں تو پکار اٹھتے ہیں:

یہ تو جنت کا کوئی خوبصورت خطہ ہے یا نفاست سے ترشا ہوا کوئی ہیرا۔
وہ بار بار اپنی آنکھیں جھپکاتے ہیں کہ ہم کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہے۔

۳۔ درہ براول (براہول)

یہ درہ مشرق سے مغرب کی طرف پھیلا ہوا ہے، یہ بلند و بالا پہاڑوں سے گھرا ہوا خوبصورت اور سرسبز درہ ہے۔

بن شاہی کا خوبصورت مقام اسی درے کی مغربی سرحد پر واقع ہے جہاں افغانستان سے یہ درہ ملتا ہے۔ وہاں ایک خوبصورت جھیل ہے جس میں اکتوبر اور مارچ کے مہینوں میں کونجوں کی آوازیں گونجتی رہتی ہیں۔ اسی درے سے ایک ندی نکلتی ہے جو چکیاتن کے مقام پر پنجکوڑہ میں گرتی ہے اور یوں چکیاتن کی اہمیت اور خوبصورتی میں اضافہ کا باعث بنتی ہے۔

۴۔ درہ جندول (چنداول)

یہ درہ میاں کلی سے خنک بانڈہ تک پھیلا ہوا ہے۔ یہاں کے لوگ ترکلانی ہیں۔ یہاں سے ایک ندی نکلتی ہے جو آگے چل کر دریائے باجوڑ میں جا ملتی ہے۔ واضح رہے کہ چنداول ترکی لفظ ہے۔

۵۔ درہ میدان

یہ درہ بھی جندول جتنا وسیع و عریض ہے، اس کے شمال میں بلند و بالا پہاڑ ہیں۔

۶۔ درہ عشیرئی (اوشیری)

یہ درہ کوہستان کے بعد دوسرا لمبا درہ ہے اس کی لمبائی پینتیس میل ہے یہاں جوار اور دھان کی فصل نہایت عمدہ ہوتی ہے، اسی درے سے سوات کی طرف ایک راستہ جاتا ہے۔ ضلع دیر کی خوبصورت تین، دیومالائی جھیل یہاں واقع ہے۔ یہاں کے پہاڑوں پر گھنے جنگل ہیں۔ یہاں کا پہاڑی نالہ داروڑہ کے قریب دریائے پنجکوڑا میں ملتا ہے۔ وادی کے بیچوں بیچ ایک ندی بہتی ہے۔ جس کے کناروں پر سرسبز کھیت اور اخروٹ کے چھتنار درخت آنکھوں کو تراوت بخشتے ہیں۔

۷۔ درہ نہاگ

(نہاگ درہ) کی لمبائی ۳۰ میل ہے۔ یہ درہ غرباً شرقاً پھیلا ہوا ہے۔ دیگر دروں کی طرح یہ بھی سرسبز و شاداب ہے۔ یہاں سے ایک ندی نکلتی ہے۔ جو واڑی کے مقام پر دریائے پنجکوڑا میں جا ملتی ہے۔ یہاں کے لوگوں کا گزارہ کھیتی باڑی اور جنگلات کی رائلٹی پر ہے۔

۸۔ درہ تورمنگ

لمبائی ۱۶ میل ہے۔ یہ درہ اخگرام سے شروع ہوتا ہے اور مشرق کی طرف سوات کے پہاڑوں پر ختم ہوتا ہے۔ یہ درہ کم طویل ہے۔ یہاں سے بھی ایک پہاری ندی پنجکوڑا کی طرف بہتی ہے۔
ان کے علاوہ اور بھی درے ہیں۔ جو کم مشہور ہیں مثلاً کیر درہ، املوک درہ، ڈوگ درہ۔

۹۔ درہ کارو

اس درہ کی لمبائی ۲۰ میل ہے۔ باقی دروں کے مقابلہ میں یہ درہ تنگ ہے۔ ان دروں کے علاوہ دو علاقے ایسے ہیں جن کا ذکر ناگزیر ہے۔ جن کی دیر کی تاریخ میں بڑی اہمیت ہے۔

۱۔ ادین زئی

یہ علاقہ کاٹگلہ سے شروع ہوکر چکدرہ اور سوات کی سرحد تک پھیلا ہوا ہے۔ تاریخ اعتبار سے اس علاقے کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اسے وادی تالاش بھی کہتے ہیں۔ یہاں کی آبادی دیر کے باقی حصوں کے مقابلے میں کافی گنجان ہے۔ یہاں قدیم تاریخی مقام مساگا واقع تھا۔

۲۔ خدک زئی

اس علاقے کو نواب دیر کے زمانے میں تحصیل کا درجہ حاصل تھا۔ یہ چکدرہ سے شروع ہوکر دریائے سوات کے شمالی کنارے کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف چلا گیا ہے۔ کلنگی کے مقام پر اس کی سرحد باجوڑ ایجنسی کے ساتھ ملتی ہے۔ یہاں بدھ مت اور ہندو شاہیہ کے کھنڈرات کے علاوہ مشہور انگریزی مورچہ بھی واقع ہے۔ جسے ''چرچل پکٹ'' کہا جاتا ہے۔

آبادی

۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق یہاں کی آبادی ۷،۶۵،۴۰۹ نفوس پر مشتمل تھی جس میں اب کافی اضافہ ہوچکا ہوگا۔ یہاں اوسطاً ۱۱۳۵ افراد فی مربع کلومیٹر آباد ہیں۔
انتظامی امور کے پیش نظر ضلع دیر کو چار سب ڈویژنوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جن کے نام یہ ہیں:
۱۔ دیر سب ڈویژن، ۲۔ تیمرہ گرہ سب ڈویژن جو ضلعی صدر مقام بھی ہے، ۳۔ واڑی سب ڈویژن، ۴۔ جندول سب ڈویژن۔

قدیم راستے

۱۔ چکیاتن سے مستوج

یہ راستہ پاتراک (کوہستان) سے تھل جاتا تھا اور پھر وہاں سے لوگ چترال، مستوج کے لیے قافلوں کی صورت میں جاتے تھے۔

۲۔ چکیاتن سے گوپیز (گلگت)

یہ راستہ چکیاتن سے درہ عشیرئی اور پھر کاٹن جاتا تھا۔ وہاں سے چڑھائی شروع ہو جاتی تھی۔ سوات کے فاضل بانڈہ اور بمہ خیلہ سے ہوکر یہ راستہ آگے تک گیا تھا۔

۳۔ چکیاتن سے دمغار (سوات)

اس راستہ کا چکیاتن سے درہ تورمنگ تک پہلا پڑاؤ تھا پھر وہاں سے یہ راستہ تو تانو بانڈہ (سوات) تک جاتا تھا جہاں سے دمغار کچھ فاصلے پر ہے۔ دمغار قدیم ایام میں سوات کا اہم مقام تھا۔

جھیلیں

ا۔زخنہ جھیل

یہ دیر سے ۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہاں کی چوٹیاں ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ سردیوں میں یہاں آنا ناممکن ہوتا ہے۔

۲۔بن شاہی جھیل

یہ جھیل چھوٹی ہے تاہم محل وقوع کے لحاظ سے خوبصورت ہے۔ یہ بارشی پانی کی جھیل ہے جو سرخ مٹی کے تودوں سے گھری ہوئی ہے۔ یہاں کونجیں اور مرغابیاں موسم بہار میں آتی ہیں۔

۳۔سیدگی جھیل

یہ جھیل دیر اور سوات کی سرحد پر واقع ہے۔اس کی خوبصورتی اور محل وقوع کے ساتھ کئی ایک داستانیں وابستہ ہیں۔ بہت خوبصورت نیلگوں جھیل ہے۔جس کے جنوب میں ایک راستہ سوات (مٹہ) تک جاتا ہے۔

۴۔گلبٹ جھیل

یہ خوبصورت جھیل ڈوگ درہ کے آخری سرے پر واقع ہے۔اسی درہ میں اور بھی چھوٹی چھوٹی جھیلیں واقع ہیں مگر یہ سب سے بڑی اور خوبصورت جھیل ہے۔

نوٹ: اب پرانی ریاست دیر انتظامی لحاظ سے دو ضلعوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ دیر بالا الگ ضلع ہے جس کا صدر مقام دیر خاص ہے۔ دیر پائیں کا صدر مقام تیمر گرہ شہر ہے۔ دو ضلعوں میں تقسیم ہونے کے سبب بہت سی دیگر تبدیلیاں بھی وجود میں آئی ہیں۔ ہسپتال، کالج اور سڑکیں بن گئی ہیں۔ جنگلات کم ہو گئے ہیں، زراعت اور آبادی بڑھ گئی ہے۔ اب تعلیم بھی عام ہو گئی ہے۔ یہاں تک کہ اب دیر کی خواتین ووٹ ڈالنے بھی جاتی ہیں۔

☆......☆......☆

باب:۳

عہد قدیم تاریخ

تاریخی تعین کے ساتھ یہ بتانا مشکل ہے کہ خطہ دیر کب انسانوں کا مسکن بنا؟ لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اپنی دلکشی، پانی کی فراوانی اور تحفظ کے نقطہ نظر سے، یہ علاقہ عہد قدیم کے انسانوں کے لیے اہمیت کا حامل رہا ہوگا۔ان وجوہات کی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ انتہائی قدیم ایام میں بھی یہاں لوگ بستے تھے جو گلہ بانی اور کاشتکاری کو ذریعہ معاش بنائے ہوئے تھے۔

قبل از تاریخ کے عہد کو ماہرین نے مختلف دوروں میں تقسیم کیا ہوا ہے۔جن میں دور یخ اور دور حجر قابل ذکر ہیں۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ کرہ ارض عہد یخ (Glacial Period) کے مختلف ادوار سے گزرا ہے۔ان برفانی ادوار کے درمیانی عرصے میں بھی یہاں انسان رہا کرتے تھے۔اس عہد کے بعد، عہد حجری قدیم (Palealithic) کے اوزار پاکستان کے کئی علاقوں سے برآمد ہوئے ہیں۔جن میں دریائے سوان (راولپنڈی) بلوچستان اور دریائے ہلمند (افغانستان) کے مقامات قابل ذکر ہیں۔ چند مہینے پہلے صوبہ پنجاب کے ایک جنگل میں عہد حجر کے آثار بڑے پیمانے پر دریافت ہوئے ہیں۔ جو پاکستان کی قدیم تاریخ پر روشنی ڈالنے کے لیے کافی مواد مہیا کریں گے۔مردان کے ایک غار سے حجری دور کے اوزار ملے ہیں۔

ان شواہد کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ علاقہ بھی قدیم دور حجر میں آباد رہا ہوگا۔قدیم انسان کی دو ضرورتیں تھیں۔ شکار اور پناہ گاہ بالفاظ دیگر پیٹ بھرنا اور موسم کی شدت سے جان بچانا۔ ہمارے اس خطے میں ان دونوں چیزوں کی کوئی کمی نہ تھی چنانچہ ضلع مردان کے کشمیر سمت میں اس

دور کے آثار واوزار دریافت ہوئے ہیں جسے (Cave age) یا غاروں میں رہنے کا دور کہتے ہیں۔

خیال کیا جاتا ہے کہ قدیم عہد حجر میں انسانوں نے گروہوں کی شکل میں رہنا شروع کیا تھا۔ یہ انسانی حیات میں زبردست تبدیلی تھی۔ انسان نے غار سے نکل کر ایک نئی تہذیب کی داغ بیل ڈال دی تھی۔ حال ہی میں تیمر گرہ کے جنوب مغرب میں پتھر کے زمانے کے اوزار کافی تعداد میں برآمد ہوئے ہیں۔ ماہرین اس دور کا تعین کر رہے ہیں مگر کھنڈرات نہ ہونے کے باعث مشکلات پیش آرہی ہیں۔

عہد حجر کے متعلق ذہن میں لامحالہ یہ سوال اٹھتا ہے کہ آخر یہ لوگ ان شمالی علاقہ جات میں کہاں سے آئے تھے؟

قدیم دور حجر جو کئی ہزار سال تک جاری رہا۔ اس عہد میں انسانوں نے پہلی بار گروہی شکل میں رہنا سہنا سیکھ لیا اور یوں بڑے بڑے گروہ وجود پذیر ہوئے جس میں قابل ذکر یہ ہیں:

ا۔ یورشیائی گروپ، ۲۔ ایشیائی منگولیائی گروپ، ۳۔ نیگرو آسٹریلیائی گروپ۔

پاکستان کی قدیم آبادیوں کے متعلق ماہرین بشریات کا کہنا ہے کہ یہاں کے قدیم باشندے نیگرو آسٹریلیائی گروپ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس نسل کا ارتقاء افریقہ اور ایشیا کے وسیع وعریض میدانوں میں ہوا تھا۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اس عہد میں افریقہ اور مغربی ایشیا کے باشندے ثقافتی طور پر ایک دوسرے کے قریب تھے۔

اس قدیم حجری عہد کے بعد وسطی حجری دور شروع ہوا جس کا زمانہ ماہرین ۱۵ ہزار قبل از مسیح سے لے کر ٦ ہزار قبل از مسیح تک متعین کرتے ہیں۔ اسی عہد میں انسان نے شکار کے نسبتاً جدید وزار یعنی تیر کمان بنائے۔ پتھر کے چھوٹے چھوٹے اوزار بنائے گئے۔ اسی وجہ سے اس عہد کو (Microlithic بھی کہا جاتا ہے۔

اسی دور میں انسانوں نے جانوروں کو سدھانا شروع کیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ کتا اور گائے اسی عہد میں پالتو بنائے گئے۔ انسان نے ماہی گیری اور کاشتکاری کے ساتھ ساتھ مٹی کے برتن نانے بھی شروع کیے اور یوں انسان نسبتاً ترقی یافتہ دور میں داخل ہو گیا مگر مٹی کے برتن بنانے کے لیے ابھی پہیہ ایجاد نہیں ہوا تھا۔

وسطی حجری دور میں یوریشائی گروہ، وسط ایشیا کی طرف سے شمال مغربی علاقوں میں وارد ہوا جس کا نیگرو آسٹریلیائی لوگوں سے ملاپ ہوا۔ اس ملاپ اور اتصال کے نتیجے میں ایک اور گروہ وجود میں آیا۔ جو بشریات اور لسانیات کے علماء کے نزدیک دراوڑی گروہ کے نام سے معروف ہے۔

دردی اور دراوڑی گروہ

دراوڑ کون ہیں؟ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب آسان نہیں اس پر علماء لسانیات وبشریات کے درمیان کافی نزاع پایا جاتا ہے، بہر حال اتنی بات تو صاف ہے کہ شمالی علاقہ جات کے دراوڑ...... جنوبی ہند کے دراوڑ نہیں ہیں۔ دراوڑوں (Dravidians) کو کبھی درد (Dard) سمجھا گیا ہے۔ کبھی تورانی اور کبھی پشاچی اور بعض انہیں قدیم آریا تصور کرتے ہیں۔

یونانی مورخین نے جن لوگوں کو دردائی، دادیکے کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، بعض مورخین کے ہاں دراوڑ سے مراد یہی لوگ ہیں۔ جو بعد میں حملہ آوروں کے ہاتھوں مجبور ہو کر انتہائی شمال کی طرف کوچ کر گئے اور وہاں ایک لمبے عرصے تک باہر کی دنیا سے منقطع رہے۔ ان کی زبان غیر آریائی تھی۔ جواب بھی شینا، گاری، چترالی اور کلش کی صورت میں بولی جاتی ہے۔

تورانی نظریے کے حامی کہتے ہیں کہ تورانی وسط ایشیا میں آریاؤں کے ہم نسل لوگ تھے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان کی تہذیب میں نمایاں فرق آگیا۔ توران کے معنی جنگل کے ہیں۔ آریا انہیں حقارت سے تورانی کہا کرتے تھے۔ یہی تورانی لوگ سب سے پہلے برصغیر کے شمالی علاقوں میں وارد ہوئے۔ یہاں کے اصل باشندوں سے مل کر انہوں نے ایک نئی تہذیب کی بنیاد رکھی...... بعد میں جب آریاؤں کے ریلے اس علاقہ میں داخل ہوئے...... تو ان علاقوں کے مقامی باشندے جان بچانے کی خاطر کوہستانوں کی طرف چلے گئے۔

ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ آریاؤں نے اپنی برتر تہذیب کے پیش نظر ان لوگوں کو "پشاچی" کا نام دیا جس کے معنی "کچا گوشت کھانے والے" کے ہیں...... یہی پشاچ یا پشاچی مختلف لسانی گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور ان کی زبان سے کئی بولیاں وجود میں آگئیں۔ "پراچہ" ایک لسانی گروپ ہے اور اسے پشاچ کی بگڑی ہوئی شکل مانا جاتا ہے۔

کچھ علماء کہتے ہیں کہ کوہستانوں کے باسی ماقبل دراوڑ (Dravidian-Proto) ہیں، جن کی اپنی تہذیب اور اپنی زبان تھی مگر اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ مطلب دارد ی الگ، دراوڑ الگ۔
حاصل بحث: دراوڑ غیر آریائی لوگ تھے۔ جن کی تہذیب آریاؤں سے یکسر مختلف تھی۔ ہاں: دراوڑوں میں مختلف نسلوں کی آمیزش ہوسکتی ہے جو آہستہ آہستہ ایک بڑی تہذیب کا جز بن گئے ہوں گے، آریاؤں کے آنے سے پہلے یہی لوگ کھیتی باڑی کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے، ان کے زیادہ تر اوزار پتھر کے تھے۔ اگرچہ کانسہ بھی ان کے استعمال میں تھا لیکن تانبے کی کمیابی کی وجہ سے کانسے کے اوزار عام لوگوں کی دسترس سے باہر تھے۔

ان لوگوں نے باقاعدہ بستیاں بسائی تھیں۔ وہ کتا، گائے اور گھوڑا سدھا چکے تھے۔ وسائل روزی کی فراوانی کی وجہ سے یہ لوگ کافی خوشحال تھے لیکن لکھنے پڑھنے کے ہنر سے ناواقف تھے۔
ان کی زبان کا کوئی یقینی نمونہ دستیاب نہیں۔ اسی وجہ سے ان کی زبان کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ماہرین ان کے عہد کا تعین چھ ہزار قبل المیلاد سے ۱۵۰۰ قبل المیلاد تک کرتے ہیں۔
اسی عہد کے اختتام پر آریاؤں کے ریلے شروع ہوئے بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ آریاؤں کے ورود نے اس تہذیب کا خاتمہ کردیا اور ایک نئی تہذیب کی طرح رکھ دی۔

گورستانی تہذیب

قومیں پیدا ہوتی ہیں۔ شباب تک پہنچتی ہیں اور پھر عہد زوال میں داخل ہو کر نیست و نابود ہو جاتی ہیں لیکن ان کی چھوڑی ہوئی نشانیاں، آنے والے لوگوں کے لیے سرمہ بصیرت بن جاتی ہیں۔ آثار قدیمہ اگر دلچسپی کا پہلو رکھتے ہیں تو عبرت وسبق کا سامان بھی ڈھونڈنے والوں کو مہیا کرتے ہیں۔ گندھارا کے مختلف حصوں میں قدیم قبرستان پائے جاتے ہیں خصوصاً دیر سے لے کر صوابی اور سوات تک کا علاقہ قابل ذکر ہے، یہ تمام کے تمام قبرستان ایک ہی وضع قطع کے ہیں۔ قبروں کی بناوٹ اور مختلف ظروف کی برآمدگی سے اس تہذیب کی یکسانیت کا پتہ چلتا ہے۔
ماہرین آثار قدیمہ نے ان قبور کی قدامت کا اندازہ تین ہزار سال کے لگ بھگ بتایا ہے۔ دراصل یہ قبرستان ۱۵۰۰ قبل مسیح سے لے کر ۸۰۰ قبل مسیح تک کے زمانے کے ہیں۔ اس تہذیب کی

دریافت سے اگر ایک طرف انسانی حیات کے ارتقاء کو سمجھنے میں مدد ملی ہے تو دوسرے طرف چند سوال بھی ابھرے ہیں مثلاً یہ کہ کیا یہ تہذیب دراوڑوں کی تھی؟ یا یہ قبرستان آریاؤں کے ہیں؟ تو کیا مردوں کو دفن کرنا انہوں نے دراڑوں سے سیکھا تھا؟
ان قبرستانوں میں سب سے بڑا قبرستان تیمر گرہ (دیر) کا ہے جو تقریباً ۳۱۶ قبور پر مشتمل ہے، اسی طرح آدینہ (ضلع صوابی) کا قبرستان بھی تقریباً ۸۰ قبروں پر مشتمل ہے۔
ان کے علاوہ کاٹلنگ (مردان) چکدرہ، اوچ (دیر) لوئے بنڑ اور کاٹیلئی (سوات) کے قبرستان بھی قابل ذکر ہیں۔
تھانہ (مالاکنڈ ایجنسی) اور بٹ خیلہ (مالاکنڈ ایجنسی) میں بھی اسی قسم کی قبریں دریافت ہوئی ہیں۔
ان قبروں میں تدفین کے طریقے بھی مختلف ہیں اور تدفین کے زمانوں میں بعد بھی پایا جاتا ہے۔ بلامبٹ (تیمر گرہ) کی قبریں سنگی تختوں سے بنی ہوئی ہیں۔ یہ قبریں شرقاً غرباً بنائی گئی ہیں۔ بعض قبروں سے سالم ڈھانچے برآمد ہوئے ہیں جبکہ بعض قبروں میں راکھ کے برتن ملے ہیں، ان برتنوں میں جلی ہوئی ہڈیاں یا صرف راکھ پائی گئی ہے۔ جن قبروں سے ڈھانچے برآمد ہوئے ہیں۔ ایسی قبروں میں مردے کا ہاتھ عموماً کسی پیالے پر پڑا ہوا پایا گیا ہے۔
خیال کیا جاتا ہے کہ ان پیالوں میں کوئی مشروب رکھا گیا تھا۔ بعض قبروں میں مرد اور عورت کے ڈھانچے معانقے کے انداز میں پائے گئے ہیں۔ جو دیر کی قبروں کی خصوصیت ہے۔
قبروں میں ہڈیوں کے علاوہ زیورات اور اوزار بھی پائے گئے ہیں۔ ان قبروں کو آسانی کے لیے دو دوروں میں تقسیم کیا گیا ہے:
۱۔ کانسی کا دور
۲۔ لوہے کا دور

ماہرین کا یہ بھی خیال ہے کہ بعد کے لوگوں نے قدیم قبروں کو کھول کر دوبارہ استعمال میں لایا ہے کیونکہ بعض قبریں قدیم اور جدید تہذیبوں کا امتزاج معلوم ہوتی ہیں۔ بڑے پیمانے پر ان قبرستانوں کے انکشاف سے یہاں کی آبادی اور تہذیبی شعور کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ یہ گورستانی تہذیب، اسی سرزمین کی اپنی پیداوار تھی جو بعد کی اقوام کے لیے نمونے کا کام دیتی رہی۔ ماہرین آثار قدیمہ نے ان قبور کی عمر کا تعین تو کر دیا ہے لیکن وہ یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ تہذیب قبور کس کی تھی؟

ہمارا خیال ہے کہ یہ تہذیب یہاں کے مقامی باشندوں (دراوڑوں) کا نتیجہ فکر تھی۔ آریاؤں کے آنے کے بعد ان کا میل جول مقامی آبادی کے ساتھ پیدا ہوا۔ نتیجتاً وہ بھی ان کے رنگ میں رنگ گئے۔ اس میں شک نہیں کہ بعد کے آریاؤں نے یہاں کی مقامی آبادی کو ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ وہ یہاں کے لوگوں کو داس (غلام) اناسا (چپٹی ناک والے) کہا کرتے تھے۔ اس نفرت کے باوجود رگ وید میں ایسی شہادتیں پائی جاتی ہیں۔ جن سے آریاؤں اور دراوڑوں کے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ دریائے راوی کے کنارے جو جنگ لڑی گئی تھی۔ اس میں یہی داس (غلام) آریاؤں کے شانہ بشانہ لڑے تھے۔

دراوڑوں کا مذہب

دنیا کی تمام قدیم قومیں مظاہر پرستی کے دور سے گزری ہیں۔ اسی عہد کو (Age of Worship) کہا جاتا ہے۔

دراوڑوں میں متھرامت (سورج پرستی) مقبول تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی قبریں شرقاً غرباً بنی ہوئی ہیں۔ مردوں کی تدفین سے یہ اشارہ بھی ملا ہے کہ وہ موت کے بعد زندگی کے ماننے والے تھے۔

آدینہ (صوابی) کے قبور سے جو اشیاء برآمد ہوئی ہیں ان میں سے ایک برتن پر سورج مکھی کا پھول بنا ہوا ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ سورج مکھی سے واقف تھے اور شاید یہ پھول ان کے ہاں متبرک سمجھا جاتا تھا۔ خود سواتی (صوابی) کے معنی سوریہ (سورج) کی بیوی کے ہیں۔ سوات کے معنی سورج کے سرزمین کے ہیں۔ متھرامت کی مقبولیت دور یخ (glacial period) کی یادگار تھی۔ بعد کے زمانوں تک یہی مت دراوڑوں میں مقبول رہا۔ اس کے علاوہ ناگ پرستی کا بھی رواج تھا۔ شیش ناگ اپنی حرکت اور زہرنا کی کی وجہ سے قدیم اقوام میں طاقت کی علامت مانا جاتا تھا۔ کالے ناگ کی پوجا بعد میں آریاؤں میں بھی مقبول ہو گئی تھی۔ دراصل یہ دراوڑوں کی دین تھی۔ شیش ناگ ہندوؤں کے ہاں اب بھی متبرک مانا جاتا ہے۔ ڈاکٹر دانی کے خیال کے مطابق اس علاقے میں پگڑی باندھنے کا رواج، کنڈلی مارے ناگ کی علامت تھا جس کا طرہ، پھن کی طرح لہراتا تھا۔

بلامبٹ (تیمرگرہ) سے ٹھیکری کی دو تین مورتیاں بھی برآمد ہوئی ہیں۔ جن کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ شاید یہ دھرتی ماتا کی مورتیاں ہیں یا ہو سکتا ہے ٹوٹمی رسوم کی ادائیگی کے لیے بنائی گئی تھیں۔ ان مورتیوں کے متعلق یہ بھی کیا گیا ہے کہ قدیم ایرانی تہذیب کے زیر اثر ان مورتیوں کو تقدس کا حامل مانا جاتا تھا۔ چونکہ بلامبٹ کے آثار کا دور آخر ایرانی تہذیب کی عکاسی کرتا ہے۔ اس لئے یہ خیال بعید از فہم نہیں کہ مجسمہ سازی کا فن سب سے پہلے یہاں ایرانی تہذیب کے زیر اثر شروع ہوا تھا۔

گو موہن جوداڑو اور ہڑپا کے مقامات پر بھی چند ایک مورتیاں برآمد ہوئی ہیں لیکن ماہرین آثار قدیمہ کو اب تک ایسی کوئی نشانی نہیں ملی جس کے ذریعے دونوں تہذیبوں کو مربوط کیا جا سکے۔ حالانکہ ان دونوں تہذیبوں میں کوئی طویل بعد زمانی بھی نہیں ہے۔

دراوڑ بھوت، پریت اور ارواح پر بھی یقین رکھتے تھے۔ گویا ان کے ہاں مذہب کا کوئی باقاعدہ اور خالص تصور نہیں تھا۔ اب تک دراوڑوں کی زبان کا کوئی کتبہ دستیاب نہیں ہوا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ دراوڑ لکھنے کے فن سے نا آشنا تھے۔ ان کی تہذیب بابل یا موہن جوداڑو کی طرح ترقی یافتہ بھی نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تہذیب قبور کے علاوہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ہم ان کی زندگی کے دیگر پہلوؤں پر سیر حاصل بحث نہیں کر سکتے۔

زندگی کا کاروبار چلانے کے لیے شاید وہ قبائلی عظیم (جرگہ) سے کام لیتے ہوں گے۔ آریاؤں کے ورود تک ان کے ہاں کوئی باقاعدہ حکومت نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آریاؤں کے بہتر اوزار کے مقابلے میں وہ ٹھہر نہ سکے۔ ان کے روایتی ہتھیار، زبردست دشمن کا منہ موڑ نہ سکے۔ نتیجتاً انہیں اپنے ملک میں داس (غلام) بن کر رہنا پڑا۔ تاہم دراوڑوں کا ایک بڑا حصہ غلامی پر نقل مکانی کو ترجیح دے کر کوہستانوں کی طرف چل نکلا جہاں آج بھی ان کی نسلیں اور زبانیں تاریخ کے دھندلکوں کے باوجود پہچانی جا سکتی ہیں۔ مورخین کا خیال ہے کہ دیر، سوات اور چترال کے مختلف

کوہستانی قبیلے۔ اس عہدِ رفتہ کی یاد دلاتے ہیں۔ گاوری، شینا، چترالی، کلش، توروالی زبانیں دراوڑ گروپ کی زبانیں ہیں۔ حتیٰ کہ بعض مورخین پشتو تک اس گروپ میں شامل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ پشتو خالص آریائی زبان ہے۔ جو ہند ایرانی شاخ سے تعلق رکھتی ہے۔ ماہرین السنہ اسے ژند اور سنسکرت کی ہم عمر بتاتے ہیں۔

نکتہ

یاد رہے کہ دراوڑ سرزمین ہندوپاک کے قدیم ترین باشندے مانے جاتے ہیں۔ جنوبی ہندوستان میں جو زبانیں بولی جاتی ہیں ان کا تعلق دراوڑی گروپ سے ہے۔ جن میں: تیلگو، ملیالم وغیرہ زبانیں شمار کی جاتی ہیں۔ پاکستان میں براہوئی یا براہوی ایسی زبان ہے جو دراوڑی گروہ سے جوڑی جاتی ہے۔ دراوڑی گروپ تامل علم و ادب کے لحاظ سے پر و معمور زبان ہے اور یہ جنوبی ہند کی سب سے بڑی زبان شمار ہوتی ہے۔

داردی تہذیب

تبت سے لے کر ہمالیہ اور ہندوکش کے دروں میں پھولی پھیلی۔ انڈس کوہستان کشانوں (کسانہ گوجر) کے دور تک اہم رہا۔ چیلاس کے قریب چٹانوں پر کشان (کسانہ) کی تصاویریں اور کتبات آثار قدیمہ کے ماہرین کا مرکزِ توجہ بنے ہوئے ہیں۔

☆......☆......☆

باب: ۴

آریاؤں کا ورود

آریاؤں کا وطن

آریاؤں کے اصل مسکن کے متعلق مورخین کے ہاں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض انہیں کوہ یورال کے گرد و پیش کے باسی بتاتے ہیں جبکہ بعضوں کے ہاں آریاؤں کا اصل وطن پامیر کی سطح مرتفع تھا جہاں سے وہ مختلف اوقات میں بہتر زمینوں اور چراگاہوں کی تلاش میں میدانی علاقوں میں اترتے رہے۔

بعض لکھے پڑھے لوگ آریاؤں کے وجود تک کو مشتبہ سمجھتے ہیں اور اس ثابت شدہ حقیقت کو تاریخی ڈھکوسلا قرار دیتے ہیں۔ ان کا بڑا اعتراض یہ ہے کہ کیا وسط ایشیا میں آدمیوں کے کارخانے لگے تھے جہاں سے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں مختلف ممالک کو افرادی قوت دساور کی جاتی تھی؟ اور پھر یہ سلسلہ صدیوں تک جاری رہا......؟

ان اعتراضات کا جواب منگول فاتحین کی یلغاروں میں پوشیدہ ہے۔ منگول لاکھوں کی تعداد میں وسط ایشیا اور مغربی ایشیا کی طرف آئے تھے ان کے یہ حملے سالہا سال تک جاری رہے حتیٰ کہ برصغیر تک ان کی زد سے محفوظ نہ رہ سکا۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے مختلف حصوں میں آبادی کی شرح یکساں نہیں ہے۔ انڈونیشیا اور بنگلہ دیش کے علاقے، گنجان آبادی کے لیے مشہور ہیں جبکہ لیبیا اور الجیریا کے ریگستان آدمی کی شکل تک کو ترستے ہیں۔ ہمارے اپنے ملک میں پنجاب اور بلوچستان کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ ان کی وجوہات معلوم ہیں۔ اسی وجہ سے ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوتا۔

آریاؤں کی نقل مکانی کی وجوہات

مورخین کا خیال ہے کہ وسط ایشیا اور مشرقی یورپ کے میدانوں میں آریاؤں کی آبادی بڑھ گئی تھی۔ چونکہ ذرائع معاش آسان تھے۔ چراگاہیں زیادہ تھیں اسی وجہ سے ان کی آبادی اتنی بڑھ گئی کہ وسائل معاش جواب دے گئے۔ وہ چراگاہوں کی تلاش میں موجودہ ایران، افغانستان اور ازبکستان کے میدانوں میں اتر گئے۔

یہاں سے ان کا ایک بڑا حصہ ایران کی طرف چلا گیا اور دوسرا بڑا گروہ افغانستان میں داخل ہو گیا۔ اس سے پیشتر آریاؤں کے کئی گروہ یورپ کی طرف کوچ کر گئے تھے۔ مختلف سمتوں میں ان کے پھیلاؤ کی وجہ سے اصل زبان کے متعدد گروپ بن گئے۔

لسانی تقسیم

ماہرین تاریخ کے نزدیک آریاؤں کا یہ انتشار تین ہزار قبل مسیح تک مکمل ہو چکا تھا اور اسی پھیلاؤ کے نتیجے میں زبان کے دو اہم گروپ بن گئے۔

۱۔ ہندیورپی گروپ

آریاؤں کے جو گروہ سیل رواں کی طرح مشرقی یورپ میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے ورود سے وہاں ایک لسانی وحدت پیدا ہوگئی جسے ہندیورپی خاندان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

۲۔ ہندایرانی گروپ

آریاؤں کے جو جتھے وسط ایشیا کی طرف آئے تھے۔ ان کی بود و باش سے زبانوں کا ایک الگ گروہ وجود میں آیا جسے ہندایرانی گروپ کہتے ہیں جس سے بعد ازاں ایک اور گروپ ہند آریائی وجود میں آیا، یاد رہے کہ دراوڑی گروپ کی زبانیں، ان مذکورہ وحدتوں سے بالکل الگ ہیں۔

آریاؤں کی نقل مکانی کی وجہ سے ان کی تہذیب دیگر تہذیبوں سے متاثر ہوئی۔ خود انہوں نے بعض چیزیں ہمسایہ تہذیبوں کو دی ہیں اور کئی ان سے مستعار لی ہیں مثلاً دیوتا ورونا اور دیوتا اندر کے نام ان کی اصل تہذیب میں نہیں تھے اور نہ وہ اگنی کی پرستش کرتے تھے۔ مغربی ایشیا کے ان

اثرات کے علاوہ انہوں نے اور بھی بہت سے چیزیں مختلف گروہوں سے حاصل کیں۔ جن کا ثبوت دو ہزار قبل از مسیح کی تحریروں میں ملتا ہے۔

آریاؤں کے راستے

وسط ایشیا میں استقرار کے بعد آریاؤں نے اپنی پیش قدمی مختلف اطراف میں جاری رکھی۔ وہ بیک وقت بلوچستان اور افغانستان کے جنوبی علاقوں سے لے کر پنجاب تک پھیلے ہوئے تھے۔

رگ وید میں پنجاب کا نام سپتا سندھو ہے، جس کے معنی سات دریاؤں کے ہیں۔ یہی نام اوستا میں ھپت ہندو ہے۔ یاد رہے کہ اوستا میں ''س'' کا تلفظ اکثر ''ھاء'' سے ہوا ہے۔

اکثر مورخین کا خیال ہے کہ آریاؤں کے پہلے جتھے یہاں کی مقامی آبادی میں گھل مل گئے۔ انہوں نے اپنے آپ کو مقامی رنگ میں رنگا تھا۔

بعد میں مزید ریلوں کے آنے کی وجہ سے آریا پنجاب کی طرف بڑھ گئے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ کچھ مقامی آبادی آریائی تسلط سے نباہ نہ کر سکی اور وہ محفوظ مقامات کی طرف چلی گئی تھی۔

مورخین اس کی بھی تردید کرتے ہیں کہ آریاؤں کے حملوں سے یکبارگی موہن جودڑو کی تہذیب ناپید ہوگئی تھی۔

موہن جودڑو اور ہڑپائی تہذیب کے زوال کے اسباب بیرونی سے زیادہ اندرونی تھے۔ اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ یہ تہذیب آہستہ آہستہ مٹ گئی تھی اور یہ کہ اس زوال میں آریاؤں سے زیادہ خود مقامی آبادی کا ہاتھ تھا۔

برصغیر پاک و ہند میں آریاؤں کے ورود کا زمانہ دو ہزار قبل مسیح سے لے کر آٹھ سو قبل مسیح تک جاری رہا۔ بعض کے ہاں اس مدت کے ساتھ اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔

آریا شمال مغربی پاکستان میں درہ بولان، درہ خیبر اور باجوڑ کے راستوں سے داخل ہوئے تھے۔ یہی راستے بعد کے فاتحین کے لیے قلعے کے شگاف ثابت ہوئے، ہزاروں سال تک ان راستوں سے برصغیر میں فاتحین کا تانتا بندھا رہا اور یہاں کے لوگ پامال ہوتے رہے۔

آریا دیر میں

جب آریائی قبائل کوہ ہندوکش کے اطراف میں پھیل گئے تو انہوں نے اس سرزمین کا نام ''آریانا'' رکھا۔ اسی طرح انہوں نے پنجاب کا نام ''آریاورت'' رکھا۔ بعض ماہرین السنہ کہتے ہیں کہ ''ورت'' بمعنی چراگاہ پشتو میں ''ورشو'' ہے۔

آریاؤں نے ان چراگاہوں میں اپنی بودوباش رکھی۔ ذرائع معاش کی آسانی کی وجہ سے وہ خوشحال اور فارغ البال ہو گئے۔ اسی سرزمین پر انہوں نے اپنے مذہبی گیت مرتب کیے چنانچہ ہندی آریاؤں کی قدیم ترین کتاب ''رگ وید'' کے متعلق خیال ہے کہ وہ موجودہ پاکستان کے شمالی علاقوں میں لکھی گئی ہے ''رگ وید'' میں پشتونخوا کے کئی دریاؤں کے نام ہیں مثلاً کوبھا (دریائے کابل)، سواستو (دریائے سوات)، کرومو (دریائے کرم)، سندھو (دریائے سندھ) ان کے علاوہ داسی یا داسا کا ذکر ہے جس سے مراد دریائے کنڑ ہے۔

تریشاما کا ذکر بھی ''رگ وید'' میں موجود ہے جس سے مراد مورخین کے خیال کے مطابق دریائے پنجکوڑا ہے۔ پنچال اور پنجکوڑا کے متعلق ڈاکٹر دانی کا خیال ہے کہ یہ آریاؤں کے پانچ قبیلے تھے پھر پنچال اور کوروؤں کے نام سے پنجکوڑا کا نام وجود میں آیا...... پنج کوڑا۔ کوڑا بمعنی رود یا دریا ہے۔ پانچ دروں کا پانی دریائے دیر میں آکر ملتا ہے۔

آریاؤں کے متعلق کتابوں میں لکھا گیا ہے کہ وہ دریاؤں کے کناروں پر رہتے تھے اور دریاؤں کے کنارے قربانی کی مذہبی رسوم ادا کرتے تھے...... ان کے خیال میں دریا زندگی کے منبع تھے۔ گنگا اور جمنا کا تقدس آج بھی ان کی یاد دلاتا ہے۔ داردی مورخین کہتے ہیں کہ پنج کوڑا سے مراد پانچ وادیاں ہیں۔

جگیہ آستن

دیر شہر سے چھ سات کلومیٹر کے فاصلے پر ''چکیاتن'' ایک مقام ہے جو تین دریاؤں کا نقطۂ اتصال ہے۔ یہاں دریائے بشکار، دریائے دیر اور دریائے براول گلے ملتے ہیں۔ اس مقام کا آریاؤں کے ہاں بڑا تقدس رہا ہوگا چنانچہ اس کا اصل نام ''جگیہ آستن'' تھا جس کے معنی آریاؤں کی زبان میں

''قربان گاہ'' کے ہیں۔ بعد میں کثرت استعمال کی وجہ سے جگیہ آستن چکیاتن بن گیا۔ دریاؤں کا سنگم ہندوؤں کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اسی طرح بدھوں کے لیے بھی ایسے مقام قابل تقدس ہوتے ہیں۔

گندھارا

رگ وید میں گندھارا کے علاقے کا ذکر موجود ہے۔ بعد میں یونانی مورخین نے بھی اس نام کا ذکر کیا ہے۔ گندھارا سے مراد وادی پشاور سے لے کر ٹیکسلا تک کا علاقہ ہے۔ تاہم یہ علاقہ سکڑتا پھیلتا بھی رہا ہے۔ ایرانی کتبوں میں اس علاقے کا نام ''گندرا'' لکھا ہوا ہے۔

سوما

آریا رگ وید کے زمانے میں ایک خاص پودے کا رس پیتے تھے۔ اس پودے کا نام ''سوما'' تھا اور پہاڑوں پر سے حاصل ہوتا تھا۔ سوما جن پہاڑوں پر سے حاصل ہوتا تھا۔ اس کا نام کوہ منجوان مذکور ہے۔

مشہور مورخ بہادر شاہ ظفر نے لکھا ہے۔ ''ہوسکتا ہے کہ کوہ منجوان سے زیریں دیر کا ''منجائی'' مراد ہو اور منجوات نام کا کوئی قبیلہ یہاں رہتا ہو۔''

سوما کے متعلق پشتون مورخین کا خیال ہے کہ یہ پودا اب بھی پشتونخوا میں کثرت سے پیدا ہوتا ہے جسے پشتون ''بررڑہ'' کہتے ہیں۔ پشتونوں کے ہاں اس کے اور بھی کئی استعمالات ہیں۔ اسے انگریزی میں (Ephedra) کہتے ہیں۔ شاید سوما بھنگ کا پودا ہے جسے اب تک بطور نشہ استعمال کیا جاتا ہے۔

دس ملکوں کی جنگ

یہ مشہور جنگ آریائی قبیلوں کے مابین لڑی گئی تھی جس میں مقامی لوگ بھی طرفین کا ساتھ دے رہے تھے۔ جنگ کی وجہ ایک بادشاہ کے وزیر اور صلاح کار کی برگشتگی تھی۔ بادشاہ کا نام سوداس (اصل تلفظ سداہ) تھا۔ وشوامیتر اس کا وزیر تھا۔ یہ شخص قابل اور فصیح اللسان تھا۔ بادشاہ

اس سے کسی بات پر ناراض ہو گیا اور اسے معزول کر دیا۔ معزولی کے بعد وشوامیتر بھارتا قبیلے یعنی بادشاہ کے قبیلے کے مخالفوں کے ساتھ مل گیا۔

جو تاریخ میں یدو قبیلے کے نام سے مشہور ہے۔ یدو قبیلے پانچ تھے ان کے ساتھ پانچ دیگر اتحاد میں شامل ہو گئے جنہیں پکھتا گروپ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ ایک طرف بھارتا قبیلہ دوسری طرف یدو اور پکھتا کا اتحادی گروپ۔

یدو کو جدو اور جادو بھی کہا گیا ہے۔ پنجاب میں کوہستان نمک کے علاقے کو بابر نے ''کوہ جود'' لکھا ہے۔

پکھتا گروپ میں پانچ قبیلے شامل تھے۔ جن کے متعلق خیال ہے کہ یہ پختون قبائل تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:

ا۔ شیو یا شیوا ۲۔ پکھتا (پشتون) ۳۔ الینا ۴۔ بھالانا ۵۔ وشانن

ان قبائل میں الینا کے متعلق خیال ہے کہ موجودہ چترال، کافرستان اور دیر کا رہنے والا قبیلہ تھا۔ بعض مورخین کے ہاں بھالانا کافرستان کے گردونواح میں رہتا تھا۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہا ہے، کافرستان کا تعین آج سے ۱۰۰ سال پہلے مشکل تھا بلکہ وہ تمام علاقہ کافرستان کہلاتا تھا جہاں غیر مسلموں کی آبادیاں تھیں۔

اسی وجہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ دس سرداروں کی جنگ میں، موجودہ دیر کے باشندوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ اگرچہ اس جنگ کا نتیجہ اتحادیوں کے حق میں نہ نکلا۔ جیت راجہ سداہ کی ہوئی اور اتحادی قبائل حسرت و ناکامی کا داغ لے کر اپنے اپنے علاقوں کو لوٹ گئے۔

الینا کا ایک اور نام ''متسیہ'' بھی کتابوں میں ذکر ہے۔ مورخین کا خیال ہے کہ یہ نام قبیلوں کے ٹوٹموں کے نام تھے۔ جن کی وجہ سے بعد میں قبائل موسوم و مشہور ہو گئے۔ ''متسیہ'' کے معنی مچھلی کے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ قبیلہ مچھلی کا قبیلہ تھا۔

آج بھی چترالی زبان میں مچھلی کو متسیہ کہتے ہیں جبکہ پشتو میں ''مھے'' کا لفظ مستعمل ہے۔ ''مھے'' بھی صوتی لحاظ سے ''متسیہ'' کے قریب ہے مگر فارسی کا ماہی پشتو کا ماخذ بتایا جاتا ہے۔

آریاؤں کے باہمی رشتے

آریاؤں کے انتشار و تشت کے بعد ان کے باہمی رشتے کمزور ہو گئے۔ ان کے مختلف جتھے ایک دوسرے سے اتنے دور چلے گئے تھے کہ ان کے درمیان رسل و رسائل آسان کام نہ تھا۔

افغانستان کے جو آریا باختر میں توطن پذیر تھے۔ ان کی زبان مقدس کتاب ''آوستا'' میں محفوظ ہے۔ جو لوگ شمال مغربی پاکستان میں دریاؤں کے کنارے آباد تھے۔ انہوں نے رگ وید کے گیت بنائے۔ اوستا اور رگ ویدی زبان میں اتنی زبردست مماثلت ہے کہ ایک عرصے تک مورخین کا خیال تھا کہ یہ ایک ہی کتاب کی دو صورتیں ہیں لیکن بعد میں پتہ چلا کہ رگ وید اور اوستا کے مضامین قطعاً ایک دوسرے سے لگا نہیں کھاتے۔ صرف زبان کا منبع ایک ہونے کی وجہ سے دونوں کتابوں کے الفاظ قریب المخرج اور ہم معنی ہیں۔ نیچے سنسکرت اوستا اور پشتو کے چند بنیادی الفاظ کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے:

اردو	سنسکرت	اوستا	پشتو
چاندی	رجاتہ۔ ارجونا	رذاتہ	انجروت
کمان	دھنواں	دھنواں	لیندہَ
کمان کی بندش	جیا	جیا	جین
تیر	اشو	ایشو	غشے

فقہ اللغت سے واقفیت رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ ان الفاظ کے درمیان واجبی سا فرق ہے، اصل تقابلی جائزے میں پشتو کے الفاظ نہیں ہیں۔ جدول میں پشتو کے الفاظ میرا اضافہ ہیں (مولف) لیکن درج بالا الفاظ کم وبیش آج بھی پشتو میں اسی طرح مستعمل ہیں۔ صرف ''انجروت'' کا لفظ خال خال سننے میں آتا ہے۔ اب اس کی جگہ ''سپین زر'' چاندی کے لیے عام استعمال میں ہے۔ ان الفاظ کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ سنسکرت اوستا اور پشتو کا اصل منبع ایک ہے لیکن زمینی فاصلوں کی وجہ سے یہ فرق بڑھ گیا ہے۔ اوستا کی زبان پر آج کل افغان عالم حبیب اللہ رفیع تحقیق کر رہے ہیں۔ ان کے ساتھ تبادلہ خیالات پر معلوم ہوا کہ پشتو اور اوستا کے الفاظ میں

زبردست تشابہ اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے مثلاً پشتو کا لفظ "اروا" (روح) اصل میں اوستا کا کلمہ ہے جسے غلطی سے پشتون عربی (ارواح) کی شکل مانتے ہیں۔ اسی طرح بہنوئی کے لیے اوستا میں "خورمیرہ" کا لفظ ہے جو اصل پشتو کا لفظ ہے۔ پشتو میں ہم اسے "خودمیڑہ" پڑھ سکتے ہیں۔

حبیب اللہ رفیع کی تحقیق، تحریری شکل میں آجائے تو اور بھی انکشافات ہو سکتے ہیں جن سے اوستا سنسکرت اور پشتو کے ناقابل شکست رشتے واضح ہو جائیں گے۔

پشتون پکھتا ہیں

دس ملکوں کی جنگ میں جن پانچ پشتون قبائل نے حصہ لیا تھا۔ ان میں سب سے بڑا قبیلہ پکھتا تھا۔ بعد میں پشتون کے تمام قبائل اسی نام کی مناسبت سے پشتون کہلائے۔ پکھتا اور پشتون ایک جیسے الفاظ ہیں۔

اگرچہ بعض مورخین کے ہاں ہزاروں سال پرانے لفظ پکھت سے پشتون نکالنا قرین عقل نہیں ہے۔ کیونکہ ضروری نہیں کہ ایک لفظ ہزاروں سال تک تسلسل میں ہو۔

مشہور مورخ ہیروڈوٹس نے پکھتیا کا ذکر کیا ہے جس سے مراد پشتونخوا ہے۔ سنسکرت میں "خ" کے لیے کوئی حرف نہیں ہے۔ اسی وجہ سے "خ" کا تلفظ سنسکرت میں "کھ" سے ہوا۔ پکھت اصل میں پخت ہے۔ اسی طرح پکھتا "پختا" ہے جس سے بعد میں بست کی وجہ سے پختون بنا ہے۔

یونانی مورخین کے ہاں پکھتو یک، پکھتیکا سے مراد پشتونوں کی جائے رہائش ہے۔ پروفیسر مارگنسٹرین کے ہاں پشتون لفظ "پرستھی" سے نکلا ہے اوستا میں فارسی پشت کے لیے "پرستھی" لفظ ہے جو سنسکرت میں "پرستھا" ہے۔

اوستا کے مرکب "رس" کے لیے پشتو میں "ش" کا حرف آتا ہے۔ اس اصول کے پیش نظر پہلے "پرستھی" سے "پشتی" بنا، بعد میں پشتین اور پشتون کا لفظ وجود میں آیا۔

یہ امر بہت واضح ہے کہ پشتون، آریا النسل ہے اور زمانہ قدیم سے پکھت، پرستھی اور پکھتا کے ناموں سے معروف چلا آرہا ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ پشتونوں کی زبان اگر آریائی زبان تھی تو سنسکرت اور پشتو میں اتنا بعد کیوں ہے؟

آریاؤں کے جو قبائل ہندوستان کے میدانوں کی طرف گئے تھے، وہاں وہ میدانی علاقوں کی زبانوں اور تہذیبوں میں گھل مل گئے۔ ان کی زبان وسیع اور ملائم ہو گئی۔ تاہم سنسکرت عوام کی زبان نہ بن سکی۔

آریاؤں کے جو قبائل دشوار گزار علاقوں میں رہائش پذیر تھے۔ ان کے لہجوں میں ایک خاص قسم کا گھن گرج پیدا ہوا جو کوہستانی علاقوں کا خاصہ ہوتا ہے پھر بھی اصلیت کے لحاظ سے یہ زبانیں مشترک البیان ہیں۔ جن کی حقیقت زبان و ادب کے شناساؤں پر آشکارا ہے۔ پشتو اور سنسکرت کے بہت سے الفاظ قریب المعنی اور قریب المخرج ہیں۔

سنسکرت سے قبل ان علاقوں میں بہت سی زبانیں بولی جاتی تھیں جنہیں سنسکرت کے مرتبین نے "پراکرت" کا نام دیا تھا۔ پراکرت کے معنی عوامی زبان کے ہیں چنانچہ راجا اشوک کے جو کتبے پشتونخوا میں موجود ہیں۔ ان کی زبان پراکرت ہے۔

ان میں مشہور شہباز گڑھی اور مانسہرہ کے کتبے ہیں۔ تاہم ان کتبات میں پشتو زبان کا کوئی لفظ نہیں پایا جاتا۔ مذکورہ کتبے پوٹھوہاری ہندکو، گوجری زبانوں کے قریب مانے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں داردی زبانیں بھی پنجاب تک پھیلی ہوئی تھیں۔

☆......☆......☆

باب:۵

پارسیوں کا اثر

آریاؤں کے ورود سے لے کر ایرانیوں کی مستحکم حکومت تک، پشتونخوا پر کیا گزری؟ یہ ایسی داستان ہے جس کے تارو پود یقینی طور پر معلوم نہیں لہٰذا اس بڑے عرصے کی خلا کو ہم یونانی مورخین کی تحریروں سے پر کرتے ہیں یا ان آثار کا سہارا لیتے ہیں جو پشتونخوا خصوصاً دیر کے علاقے میں ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ یونانی مورخین کی تحریریں اور مذکورہ آثار بہت بعد کی باتیں ہیں۔ اس لئے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ آریاؤں کی ''رگ وید'' کے بعد پشتون قبائل کے ہاں کوئی باقاعدہ منظم حکومت نہ بن سکی۔ وہ قبائلی روایات کے تحت زندگی گزار رہے تھے تا آنکہ وہ سائرس کے زیر تسلط آ گئے۔ مگر اس زمانے میں قبائل کے نام کچھ اور تھے۔ ایرانی قبائل کے لیے ''ساتھین'' کا لفظ استعمال کرتے تھے۔

سائرس

ایران میں آریاؤں کے جو قبیلے رہائش پذیر تھے۔ ان میں ''پارسوا'' قبیلے کے ایک فرد نے ۵۵۰ ق۔م میں حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ شروع میں اس کی حکومت کمزور تھی مگر آہستہ آہستہ اس نے اپنے مقبوضات کا دامن پھیلا دیا۔ یہاں تک کہ وہ سارے ایران، افغانستان اور گندھارا پر قابض ہو گیا۔ اس عظیم بادشاہ کا نام کورش تھا۔ یونانی مورخین نے اسے سائرس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہودیوں کے ہاں اس بادشاہ کا نام خورس ہے جبکہ عربوں نے اسے کیخسرو کا نام دیا ہے۔

سائرس کے زمانے میں گندھارا کا دارالخلافہ ''کاپیسی'' تھا جس پر ''پکوساتی'' نامی راجہ حکمران تھا۔ سائرس نے اس سے ''خراج'' کا مطالبہ کیا جس کے دینے میں راجہ نے پس و پیش کی۔ اسی وجہ سے سائرس اپنی طوفانی فوجوں کے ساتھ ''گندھارا'' کے دارالخلافے تک آیا۔ اس نے کاپیسی

کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس شہر کے متعلق مورخین کا خیال ہے کہ یہ کابل کے آس پاس کہیں دریا کے کنارے آباد تھا۔ اسی بادشاہ نے بابل اور بیت المقدس کے شہر بھی فتح کیے۔ بالآخر وہ اپنے بیٹوں کے لیے ایک وسیع و عریض سلطنت چھوڑ کر ۵۲۹ ق۔م میں مر گیا۔

کے قباد

کمبوجیہ جو کے قباد کے نام سے بھی مشہور ہے۔ ۵۲۹ ق۔م میں تخت نشین ہوا لیکن وہ ۵۲۲ ق۔م میں گھوڑے سے گر کر مر گیا۔

داریوش اعظم (دارائے اعظم)

داریوش، سائرس کا بھتیجا تھا جو ۵۲۲ ق۔م میں حکمران بنا۔ اسی بادشاہ کے ساتھ پشتون تاریخ کا ایک خاص تعلق ہے، اسی شہنشاہ کے وقت سکائی لیکس نے گندھارا کے دریاؤں میں جہاز رانی کی تھی جس کی پشتون تاریخ میں بڑی اہمیت ہے۔

بہستون کا کتبہ

اسی شہنشاہ نے بہستون کے مقام پر ایک بڑا پتھر نصب کیا جس پر اہورمزدا کی تعریف کے بعد، اس نے اپنی سلطنت کے صوبوں کے نام درج کروائے تھے۔ انہی ناموں میں ایک نام ''گندھارا'' کا بھی ہے۔ اسی کتبے پر پشتو زبان کے تین مصرعے میخی رسم الخط میں درج ہیں۔ جو پشتو زبان کا اولین تاریخی ثبوت ہیں مگر دیگر اہل زبان کا بھی ان مصرعوں بابت دعوہ ہے جس کا مطلب کچھ یوں ہے:

۱۔ نہ میں جھوٹ بولنے والا ہوں۔

۲۔ نہ سرکش ہوں۔

۳۔ اور نہ ظالم ہوں۔

داریوش اعظم نے امیر البحر سکائی لیکس کو دریائے نیل کا منبع معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا جس نے اپنے سفر کا آغاز گندھارا کے شہر چارسدہ سے کیا تھا۔ داریوش کے بعد اس کا بیٹا زرکسیز ۴۸۶

ق۔م میں حکمران بنا۔ اس کے عہد میں ہخامنشی خاندان کی حکومت میں زوال کے آثار نمایاں ہو گئے اور یہ بڑی سلطنت مختلف ریاستوں میں بٹ گئی۔ سکندر مقدونیکے حملے کے وقت ایران کی طاقت برائے نام رہ گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوان جرنیل کے حملے سے ایران کی حکومت ریت کی دیوار کی مانند ڈھے گئی اور وہ ایران کو فتح کر کے ہندوستان کی طرف بڑھ گیا۔

پشتونوں اور پارسیوں کے تعلقات

گندھارا کا صوبہ ہخامنشیوں کے لیے بہت اہم تھا۔ وہ یہاں سے سونا بطور خراج وصول کرتے تھے۔ یہ سونا دریائے سندھ کی ریت سے حاصل ہوتا تھا۔ آج بھی دریائے سندھ کے کناروں پر ریت سے سونا نکالنے کا جان گداز کاروبار جاری ہے۔

ہیون سانگ نے ان لوگوں کو "سونیوال" کے نام سے یاد کیا ہے۔ پارسیوں کے مذہب کا پشتونوں پر زبردست اثر ہوا، ان کی تمام روایات زردشتی مذہب کے رنگ میں رنگ گئیں۔ سکندر مقدونیے ٹیکسلا کے لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

یہ لوگ اپنے مردے چیلوں اور گدھوں کے سامنے ڈالتے ہیں۔

یہ زردشتی مذہب کی رسم تھی۔ ماہرین آثار قدیمہ نے بلامبٹ (تیمرگرہ) کے مقام پر جو کھدائیاں کی ہیں۔ ان کے دور آخر پر پارسیوں کے اثرات واضح ہیں۔ یہاں تک کہ ایک آتشکدے کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

پارسیوں کے یہ اثرات ہزاروں سال تک جاری رہے یہاں تک کہ یوسف زئیوں نے ۱۵۲۵ء کے لگ بھگ نواگ درہ میں سوات کے آخری حکمران کو اس وقت موت کے گھاٹ اتارا جب وہ بسنت منانے کے لیے اپنے قلعے سے باہر گیا ہوا تھا۔

اولف کیرو پشتونوں پر ایرانی اثرات کے متعلق لکھتے ہیں:

> مارگلہ پہاڑ کو عبور کر کے یکدم اجنبیوں کو احساس ہو جاتا ہے کہ شاید وہ ایران یا وسط ایشیا کے کسی علاقے میں سے گزر رہے ہیں۔ بلامبٹ (تیمرگرہ) کی مورتیوں کا ذکر آگے گزر گیا ہے۔ جن کے متعلق ماہرین آثار کا خیال ہے کہ وہ ایرانی تہذیب کے زیر اثر بنائی گئی تھیں۔

اسپاسی، گورائے، اساکینی قبائل

سکندر مقدونیکے حملے کے وقت کابل اور سوات کے درمیان جو ریاستیں تھیں۔ ان میں اسپاسیوں، گورایوں اور اساکینوں کی ریاستیں قابل ذکر ہیں۔

سکندر مقدونی ۳۲۷ ق۔م میں دریائے کوفن (کابل) عبور کر کے نیکائے پہنچ گیا۔ اس مقام کے تعین میں اختلاف ہے کوئی اسے کابل کے قریب بتاتا ہے اور کوئی جلال آباد کے نواح میں، نیکائیا میں ٹیکسلا کے راجہ امبھی کی سفارت سکندر مقدونیکے ہاں باریاب ہوئی۔ اسی مقام پر سکندر مقدونیے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ جرنیلوں کے ہمراہ، راجہ امبھی کی سفارت کی رہنمائی میں وادی پشاور کی طرف چلا گیا...... وہاں پشکلاوتی کے شہر کا محاصرا ہوا۔ وہاں کا راجہ "استیس" تھا۔ پشکلاوتی کی نشاندہی مورخین، چارسدہ کے قریب کرتے ہیں۔

دوسرے حصے کی کمان سکندر مقدونیے خود سنبھالی۔ وہ دریائے خواسپس یا دریائے کونیس کو عبور کر کے اسپاسیوں کے علاقے میں داخل ہوا۔

میجر راورٹی کے خیال میں وہ دریائے خواسپس کے ساتھ ساتھ روانہ ہوا تھا۔ چترال میں لوٹ مار مچانے کے بعد وہ دیر ہوتا ہوا باجوڑ پہنچا۔ اسی صورت میں وہ ہندوراج کے دروں کو عبور کر کے دیر زیریں پہنچا ہو گا لیکن عام مورخین کا خیال ہے وہ خواسپس (رود علی شنگ) عبور کر کے اسپاسیوں سے دو دو ہاتھ کرنے پہنچا تھا۔

خواسپس اور اسپاسی

ان ناموں کے متعلق مورخین کا خیال ہے کہ یہ اوستا کی زبان کے الفاظ ہیں۔ خواسپش کے معنی "اچھے گھوڑے" کے ہیں۔ یہی معنی اس کے پشتو میں بھی لیے جا سکتے ہیں۔ اسپاسی کے معنی "گھڑ سوار" کے ہیں اصل میں یہ لفظ مرکب ہے جو "آس پاس" سے بنا ہے۔

اولف کیرو کا خیال ہے کہ یوسفزئی قبیلہ اصل میں اسپاسی ہے جو اسلام لانے کے بعد یوسفزئی کہلایا۔ مشکل یہ ہے کہ یوسفزئیوں کا ان علاقوں میں قیام کسی بھی تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔ پرانے ناموں کو جدید قبائل پر منطبق کرنا صرف قیاس کہلایا جا سکتا ہے۔

اسپاسیوں کے ہاں پہنچ کر سکندر مقدونیہ بڑی مشکلات میں گھر گیا۔ اس کے تین جرنیل اسپاسیوں کے ہاتھوں زخمی ہو گئے۔ خود بھی اسپاسیوں کے ایک تیر سے سکندر مقدونیہ زخمی ہو گیا۔ غصے میں آ کر اس نے تمام قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ محاصرے کی طوالت سے گھبرا کر اسپاسی پہاڑوں میں چھپ گئے۔ سکندری فوج کے ہاتھوں بے شمار اسپاسی قتل ہوئے۔

بالآخر شہر فتح ہو گیا تو سکندر مقدونی نے شہر کو پیوند زمین کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد وہ اسپاسیوں کے دوسرے شہر "اریگائن" کو فتح کرنے کی نیت سے روانہ ہوا۔ دہشت زدہ اسپاسیوں نے شہر چھوڑ کر پہاڑوں میں پناہ لی۔ یہاں بے شمار مال غنیمت سکندر کے ہاتھ لگا۔ جن میں دو لاکھ تیس ہزار چوپائے شامل تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس علاقے (باجوڑ) کے بیل اتنے موٹے تازے تھے کہ سکندر مقدونی نے نسل کشی کی غرض سے ان کی ایک اچھی خاصی تعداد مقدونیا بھجوادی۔ "اریگائن" کی جنگ میں اسپاسیوں کی کمر ہمت ٹوٹ گئی، ان کے چالیس ہزار افراد اسیر ہو گئے اور بے شمار میدان جنگ میں کام آئے۔

گورے، گورائیس

سکندر مقدونی، اسپاسیوں سے نمٹنے کے بعد اساکینوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا، مذکورہ دو قبائل کے درمیان گورائے قبیلے کا مسکن تھا جہاں ایک تند و تیز دریا بہتا تھا۔ یونانیوں نے اس دریا کو قبیلے کے نام پر دریائے گورائے یا گورائیس کا نام دیا۔ گورائے یا گورائیس سے مراد دریائے پنجکوڑا ہے۔ رگ وید میں اس دریا کا نام "گوری" مذکور ہے جس کے عبور کرنے سے یونانیوں کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ تقریباً بائیس سو سال بعد ۱۸۹۵ء کے موسم بہار میں اسی دریا نے انگریزوں کو مصائب سے دوچار کیا تھا۔ ان کے بہت سے جانور اور آدمی دریا برد ہو گئے۔ انہوں نے اسے "ناقابل اعتبار" دریا کہا ہے۔

گورائے کے علاقے میں سکندر مقدونیہ کو کوئی جنگ نہ لڑنی پڑی۔ باجوڑ کی جنگوں کے بعد گورائے لوگ یا تو دیر کے شمال میں پناہ لیے ہوئے تھے یا وہ یونانیوں سے فیصلہ کن معرکے کیلئے "مساگا" کے اتحادی بن گئے تھے۔

گوری اور گبری

پشتون مورخین نے دیر، باجوڑ اور سوات کے لوگوں کو گبری کے نام سے یاد کیا ہے اور ان کی زبان کو "گبری" کہا ہے۔ اگرچہ مسلمان مورخین نے ہندوستان میں غیر مسلموں کے لیے گبرہ اور گبری کے الفاظ بارہا استعمال کیے ہیں۔

لیکن گورائے (گوری) اور گبری کے الفاظ میں مماثلت نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ واؤ اور بے، فقہ اللغت کے مطابق ایک دوسرے کی جگہ لے سکتے ہیں۔ باجوڑ کا وہ علاقہ جو دیر سے ملحقہ ہے وہاں گوری لوگوں کی موجودگی اس خیال کو اور بھی تقویت دیتی ہے۔

اسی طرح کوہستان دیر اور سوات میں گاوری زبان بولی جاتی ہے۔ جو گورائے اور لفظ گورائیس کے قریب ہے۔ یہ بھی ایک خیال کہ گوری غوری سے بدل گیا ہے جو بعد میں غوریا خیل ہو گیا ہے۔

اساکینی

اساکینوں کا علاقہ تالاش سے لے کر کڑاکڑ تک پھیلا ہوا تھا جس میں موجودہ دیر کا وہ حصہ بھی شامل تھا جو دریائے سوات سے ملا ہوا ہے۔ تالاش اس زمانے میں "مساگا" کہلاتا تھا۔ بعد میں تالاس بن گیا جس کا ذکر آگے گا۔

مساگا پر یلغار

معلوم ہوتا ہے کہ اساکینی جنگجو لوگ تھے۔ سنسکرت میں "اسو" کے معنی گھوڑے کے ہیں۔ اسواکا، اساکینی شاید گھوڑسواری کی نسبت سے مشہور تھے۔

مورخین نے مساگا کی نشاندہی موجودہ تالاش کے قریب کی ہے، تالاش کا محل وقوع جنگی نقطہ نظر سے بہت اہم ہے۔

اساکینوں کی فوج دو ہزار سواروں تیس ہزار پیادوں اور تین سو جنگی ہاتھیوں پر مشتمل تھی۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس زمانے میں یہاں جنگلات میں ہاتھی ملتا ہوگا۔

اسا کینوں نے سکندر کی فوجوں کا اندازہ کرنے کے بعد قلعہ بند ہو کر لڑنے کو ترجیح دی۔ چار روز تک محاصرہ جاری رہا۔ اس دوران اسا کینوں کا سردار ''اونس'' تیر لگنے سے مر گیا۔ خود سکندر بھی ایک پہاڑی پر سے احکام دے رہا تھا کہ اس کی پنڈلی میں ایک تیر پیوست ہو گیا۔ شروع شروع میں اس نے زخم کی کوئی پرواہ نہ کی لیکن ٹھنڈا پڑنے پر زخم اسے ستانے لگا۔ اس نے کراہتے ہوئے کہا:

لوگ مجھے جوپیٹر دیوتا کا بیٹا سمجھتے ہیں حالانکہ میں گوشت پوست کا عام انسان ہوں۔

دیر زیریں کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ اس نے دنیا کے بہت بڑے فاتح کو انسان ہونے کا احساس دلایا ہے۔

اسا کینوں نے خطرات کی بو سونگھی تو سکندر مقدونیہ سے صلح کے لیے سلسلہ جنبانی کی۔ صلح جوئی کے وفد کی سربراہی ملکہ کر رہی تھی...... ملکہ نے دیگر خوبصورت عورتوں کے ساتھ سکندر کو سونے کے پیالوں میں شراب پیش کی...... ملکہ نے سکندر سے اپنی فوجوں کی جان بخشی کی اپیل بھی کی اور انکسار کی علامت کے طور پر اپنے بیٹے کو سکندر کے قدموں میں ڈال دیا۔ سکندر نے ملکہ کی خواہش کے مطابق تمام رعایا کی جان بخشی اور اس کے شاہی اعزازت کی بحالی کے احکام صادر کیے۔ مورخین کا بیان ہے کہ سکندر کا ترحم کسی اخلاقی جذبے کا مظاہرہ نہ تھا بلکہ وہ ملکہ کے حسن سے مسحور ہوا تھا۔

مساگا کی جنگ میں گردوپیش کے قبائل بھی شامل تھے۔ سکندر نے انہیں اپنی فوج میں شامل ہونے کی پیشکش کی جسے قبائلیوں نے ٹھکرا دیا۔ اس پر رات کی تاریکی میں سکندر نے ان کے قتل عام کا حکم دیا۔

تمام مورخین نے سکندر کے اس قتل عام کو بلا جواز قرار دیا ہے اور اسے سکندر کی سفاکانہ طبیعت کی دلیل مانا ہے۔ یونانیوں نے اس فتح کو جشن کوہ مور (کیمور) پر دل کھول کر منایا۔ یونانی مساگا کے مناظر سے مسحور ہوئے تھے انہیں پہلی بار یونان کی طرح کی سرزمین سے واسطہ پڑا تھا۔ بعض مورخین کوہ مور سے مورہ (مالاکنڈ) مراد لیتے ہیں۔ مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ مساگا میں پہلے سے یونانی آباد تھے اور سکندر مقدونیہ کے آنے پر انہوں نے یونانی فوجوں کا استقبال کیا تھا۔ سکندر مقدونیہ اس معرکے کے بعد بازیرہ (بریکوٹ) کا رخ کیا۔ بعد میں ملکہ کا بیٹا سکندر کے نام سے (مساگا) کا حکمران بنا۔

نشہ بازی

مساگا کی شراب کی تعریف یونانیوں نے دل کھول کر کی تھی...... اٹھارہ سو سال بعد بابر نے باجوڑ کی شراب کی بڑی تعریف لکھی تھی۔ اخون درویزہ نے بھی ملک حیبو کی شراب خوری کی داستان لکھی ہے...... بابر دیر اور باجوڑ کی معجون کی تعریف میں رقمطراز ہیں:

کیال (معجون) کھانے سے مجھے ایسا نشہ چڑھا کہ میں دوسرے دن بھی فوجی کونسل میں شمولیت نہ کر سکا۔

آج بھی جندول کا معجون اتنا ہی سکون آور ہے جتنا کہ بابر کے عہد میں تھا۔

یونانی تہذیب کا اثر

سکندر اعظم کے حملے کی وجہ سے ہندوستان اور یونان کی تہذیبوں نے ایک دوسرے کو متاثر کرنا شروع کیا چنانچہ اگر ہندوستان نے یونانیوں کو کپاس سے متعارف کرایا ہے تو یونانیوں نے ہندوستان کے فن مجسمہ سازی پر انمٹ نقوش بھی چھوڑے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ گندھارا آرٹ کی بنیاد اسی سرزمین میں، یہاں کے مقامی باشندوں کے ہاتھوں پڑی تھی لیکن یونانیوں کے اثر و رسوخ کی وجہ سے گندھارا آرٹ کو جو جلا ملی ہے وہ دنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔

ہندوستانی مسکوکات پر یونانی اثر بہت گہرا ہے۔ اگرچہ سکندر اعظم کے آنے سے پہلے گندھارا میں سکے ڈھالنے کا فن موجود تھا لیکن وہ سکے فنی اعتبار سے ناقص اور بھدے تھے۔

یونانیوں کی سرپرستی کی وجہ سے مسکوکات کا فن یونانی باختر ریاستوں کے عہد میں عروج پر پہنچ گیا۔ یونانیوں کے آنے سے پہلے یہاں ایرانی سلطنت کا سکہ چلتا تھا۔

جسے آج کل ''پنچ مارک'' کہتے ہیں۔ کشانوں (کسانہ) کے بعد ہندوشاہیہ (گوجروں) کے سکے اپنی خوبصورتی اور پائیداری کے لیے شہرت رکھتے تھے۔

البیرونی نے ہندوشاہی سکوں کی بہت تعریف کی ہے۔ یہ اتنے اچھے سکے تھے کہ خلفاء بنی عباس نے اس طرز پر اپنا سکہ ڈھالا تھا۔

اگر یونانیوں اور بعد میں رومیوں پر ہندوستانی فلسفے کا اثر نمایاں ہے تو ہندوستانیوں نے بھی یونانیوں سے بروج سماوی کے نام لیے ہیں۔

یہاں تک کہ سنسکرت نے قلم اور روشنائی کے الفاظ تک یونانی زبان سے لیے ہیں۔

علاوہ بریں اسلحہ اور فنون حرب پر بھی یونانی اثرات مرتب ہوئے۔

☆......☆......☆

باب:۷

موریہ عہد اور پشتون

چندر گپت

سکندر کے جانے کے بعد ٹیکسلا میں یونانیوں کا باج گذار گورنر راجہ امبھی دیر تک حکومت نہ کر سکا۔ وہ ایک یونانی فوجی گورنر کے ہاتھوں قتل ہوا۔ دوسری طرف چندر گپت نے مگدھ کے تخت پر ۳۲۲ ق۔م میں قبضہ کیا۔ آہستہ آہستہ اس نے پاؤں پسار لیے اور ٹیکسلا کے حالات سے فائدہ اٹھا کر اس نے گندھارا تک اپنی حکومت بڑھالی۔ ٹیکسلا پر قابض ہونے کے بعد سارا گندھارا اس کے زیر نگین ہو گیا، ہندوستان میں پہلی بار ایک عظیم سلطنت وجود میں آئی۔

سلیوکس کا حملہ

یونانیوں کے مشرقی مقبوضات کا حاکم اعلیٰ سلیوکس تھا۔ سکندر کی موت کے بعد اس نے بابل پر بھی قبضہ کر لیا۔ ہندوستان پر حملے کی غرض سے وہ ۳۰۵ ق۔م میں دریائے سندھ کے کنارے آ موجود ہوا۔ دوسری طرف چندر گپت نے بھی حملہ کی تیاریاں کی تھیں۔ گھمسان کا رن پڑا جس میں سلیوکس کو شکست فاش ہوئی۔ عین اسی وقت مغربی ایشیا میں بغاوت ہو گئی جس کو فرو کرنے کی غرض سے سلیوکس جانا چاہتا تھا لہٰذا فریقین میں صلح کی بات چیت ہوئی۔ سلیوکس نے چندر گپت سے اپنی لڑکی بیاہ دی اور اس نے تحفتاً پانچ سو جنگی ہاتھی سلیوکس کی نذر کیے۔ باہمی تعلقات پر خوشگوار اثر پڑا۔ آپس کا میل جول بڑھ گیا۔ گندھارا اس صلح کی نتیجے میں چندر گپت کے حوالے کیا گیا۔ گندھارا کے تعلقات وسطی ہند سے ایک بار پھر استوار ہو گئے جن کا یہاں کی تاریخ پر گہرا اثر مرتب ہوا۔

اشوک اعظم

چندر گپت ۲۹۷ ق۔م میں فوت ہوا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا بندوسار تخت نشین ہوا لیکن تاریخی لحاظ سے اس کے عہد کی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ ۲۷۶ ق۔م میں اس کے مرنے کے بعد اشوک تخت نشین ہوا، پشتونخوا کی تاریخ میں اس بادشاہ کی بڑی اہمیت ہے۔ اسے عموماً اشوک اعظم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

بدھ مت کی ترویج

اشوک اعظم بدھ مت کا پرزور حامی تھا اور انہی کوششوں سے بدھ مت پشتونخوا کے گھر گھر تک پہنچ گیا۔ اس نے بدھ مت کے مشہور مبلغ "مادھیتیکا" کو گندھارا اور کشمیر بھیج دیا جس کی مساعی سے وہاں بدھ مت کو فروغ حاصل ہوا۔ یہاں کے باشندوں نے بدھ مت کو دل کی گہرائیوں سے قبول کیا۔ گندھارا میں اتنی خانقاہیں بنیں کہ اسی عہد میں ہی ان کی شہرت دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ گئی تھی۔ صدیوں تک گندھارا بدھ مت کے پیروکاروں کے لیے متبرک و مقدس مقام رہا۔ آج بھی اسی خطہ خاک میں بدھ مت کی نشانیاں باقی دنیا سے کہیں زیادہ ہیں...... یہاں گندھارا آرٹ کو جلا ملی جسے دنیائے فن میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔

بدھ مت کے فرامین

اشوک اعظم نے بدھ کے مفید مطلب فرامین بڑی بڑی چٹانوں پر کندہ کرائے۔ جن میں شہباز گڑھی (مردان) اور مانسہرہ کی چٹانیں مشہور ہیں۔ ان فرامین کے متعلق ماہرین لسانیات کا کہنا ہے کہ یہ ایرانی تہذیب کے زیر اثر لکھے گئے ہیں۔ ان کتبوں کی زبان "پالی" ہے اور رسم الخط خروشتی۔ ان کتبات کی تنصیب سے مذکورہ مقامات کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے نیز گندھارا میں بدھ مت کی مقبولیت اور لوگوں کی تعلیمی سطح کا حال بھی ان چٹانوں سے عیاں ہے۔ موریا خاندان کی سلطنت اپنی وسعت اور نالائق جانشینوں کے ہاتھوں تباہ ہوگئی۔ بالآخر ۱۸۵ ق۔م میں اس خاندان کا چراغ گل ہوگیا اور باختری یونانیوں کے لیے راستہ ہموار ہوگیا۔

باختری یونانی ریاست

سلیوکس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹوں کے ہاتھ میں حکومت آئی اور دوسری طرف موریا حکومت کمزور ہوگئی۔ یونانی باختری حکومت سلیوکس خاندان سے چھن گئی تو یکے بعد دیگرے باختر کے کئی حکمران بدلے۔ ہر طرف سیاسی بدنظمی پھیل گئی لیکن یونانی باختری بادشاہوں میں دو نام بہت مشہور ہیں۔ ڈیمیٹریس اور مینانڈر۔ ان دونوں کی حکومت گندھارا تک پھیلی ہوئی تھی:

۱۔ ڈیمیٹریس نے ٹیکسلا کی عمارات میں اضافہ کیا۔ اس کے مسکوکات پر یونانی اور مقامی زبانوں کی عبارات درج ہیں۔ جن سے مقامی تہذیب کی طرف ان کے جھکاؤ کا اندازہ ہوتا ہے۔

۲۔ مینانڈر۔ یونانی باختری بادشاہوں میں مینانڈر مقبول ترین بادشاہ گزرا ہے، اس نے سکالا (سیالکوٹ) کو اپنا صدر مقام بنایا تھا۔ اس کی سلطنت کی حدود افغانستان تک وسیع تھی۔ باجوڑ میں اس عہد کا ایک کتبہ پایا گیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دیر بھی اس کی سلطنت میں شامل تھا۔ پنجاب کا ایک قصبہ "مندرہ" مینانڈر کی طرف منسوب ہے۔ مینانڈر ہندوستانیوں میں ملندر، مالند اور ملند کے ناموں سے پہچانا جاتا تھا۔ اسے ہندوستانی تہذیب سے بہت لگاؤ تھا۔ بدھ مت کے داعی ہونے کی وجہ سے اسے بدھ مت کے حلقوں میں احترام اور توقیر حاصل تھی۔ ڈیمیٹرس اور منانڈر کے عہد پر ان کے مسکوکات سے روشنی پڑتی ہے جو کثیر تعداد میں پشتونخوا کے گوشے گوشے میں برآمد ہوئے ہیں۔ خصوصاً افغانستان میں تو ایسے سکوں کے پورے خزانے مدفون ہیں۔ ملم نام بہت پرانا ہے اس کے معنی پہاڑ آئے ہیں۔

ساکا

پہلی صدی قبل از مسیح میں ان کے حملے برصغیر کے شمال مغرب میں شروع ہوئے۔ اصل میں ساکا اور مس ساگیتی نسل ایک ہے جس کی نشوونما قبل از مسیح میں ہوئی تھی۔ مس ساگا کے معنی "عظیم ساکا" کے ہیں۔ کیا دیر کے مساگا (تالاش) کا ساکاؤں سے کوئی تعلق ہے؟ ہوسکتا ہے۔ اساکینوں اور ساکاؤں کے درمیان زبان کا کوئی رشتہ ہو؟ یا ساکاؤں کا کوئی قبیلہ اساکینوں سے

پہلے یہاں آباد ہوا ہو جس کی وجہ سے تالاش کا نام "مساگا" پڑا ہو۔ ساکاؤں نے باختر یونانی ریاست کو کمزور کر دیا، انہوں نے جنوبی افغانستان میں ساکاستان کے نام سے حکومت بنائی۔ یہ علاقہ اب بھی سیستان کے نام سے پہچانا جاتا ہے، اسے عرب مورخین نے سجستان کا نام دیا تھا۔ اولف کیرو اور بعض دیگر مورخین کا خیال ہے کہ پشتونوں کی نسل سازی ساکاؤں کی مرہون منت ہے نیز پشتو زبان، ساکاؤں کی زبان نی ہے۔

ساکاؤں کا مشہور بادشاہ ماولیس تھا۔ جو پہلی صدی ق۔م کے نصف آخر میں پنجاب تک بڑھ گیا تھا۔ اس کا دارالخلافہ ٹیکسلا تھا۔ یہ بادشاہ ماولیس اور موگا کے ناموں سے ہندوستان میں مشہور تھا۔

پارتھی

ساکاؤں کے بعد پارتھیوں کو عروج ہوا۔ ان کا بڑا بادشاہ گنڈوفیرلیس تھا۔ اس کا ایک کتبہ تخت بھائی سے برآمد ہوا ہے جو ۱۹ء عیسوی کا ہے۔

پارتھی کون تھے؟ اور کونسی زبان بولتے تھے؟ ان کے بارے میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے، پارتھیوں کو ساکاؤں کے قرابت دار بھی مانا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مخلوط نسل کے ترک تھے۔

کشان خاندان

کشانوں نے پارتھیوں کا تختہ الٹ دیا اور کجولا کاڈفیس افغانستان کے علاقے پر قابض تھا جس کے جانشین نے ٹیکسلا فتح کیا تھا۔ اس خاندان کا سب سے مشہور حکمران کنشک گزرا ہے جس کا دارالخلافہ پشاور تھا۔ اس نے پشاور میں ایک محل بنوایا تھا جس کی شہادت چینی سیاحوں نے بھی دی ہے۔ کشانوں کے متعلق خیال ہے کہ یہ لوگ ترک نسل کے تھے۔ ان کے عہد میں بدھ مت کو زبردست مقبولیت حاصل ہوئی تھی۔ خصوصاً دیر کے زیریں علاقے میں بدھوں کی عظیم خانقاہیں وجود میں آئیں۔ بدھ مت کے ساتھ گندھارا آرٹ کو فروغ ملا۔ پہلی صدی عیسوی سے لے کر ساتویں صدی عیسوی تک دیر میں بدھ مت کا بول بالا تھا۔

دیر زیریں میں چٹ پٹ، اندن ڈھیری، رام موڑہ، بمبولی اور دھم کوٹ بدھ مت کے اہم مراکز تھے یہاں سے گندھارا آرٹ کے بہترین نمونے حاصل ہوئے ہیں جو چکدرہ میوزیم میں

عام نمائش کے لیے رکھے گئے ہیں۔ واضح رہے کہ مذکورہ مقامات چکدرہ کے آس پاس ہیں۔ گویا یہ سب اہم مقامات دیر کے دروازے پر موجود ہیں۔ یہ عظیم تہذیب ہنوں کے ہاتھوں ایسی تباہ ہوئی کہ پھر کبھی نہ سنبھلی۔

کنشک کے عہد میں بدھ مت سرکاری مذہب تھا اور سنسکرت سرکاری زبان۔ پشتونخوا میں بدھ مت کے پھیلاؤ کے ساتھ پہلے پالی اور بعد میں سنسکرت کا اثر پشتونوں پر قدرتی امر تھا چنانچہ پشتو کے تار و پود میں سنسکرت کے زیادہ اور پالی کے کم الفاظ آج بھی پہچانے جاسکتے ہیں۔ کشانیوں کا آخری بادشاہ واسودیوا ۲۲۵ء میں فوت ہوا۔ اس کے انتقال کے ساتھ اس خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔

ساسانی، کیداری اور خورد کشان کشانوں کے بعد ساسانیوں کو عروج حاصل ہوا لیکن پشتون تاریخ میں اس عہد کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس کے بعد کیداریوں اور خورد کشانوں کو عروج حاصل ہوا۔ ان عہدوں میں گندھارا کبھی آزاد اور کبھی نیم آزاد رہا۔ پشتونخوا کے پہاڑی علاقے ان کمزور حکومتوں کی دسترس سے ہمیشہ باہر رہے اور ان کے کوئی خاص اثرات ان پر کبھی نہ ہوئے۔

تعجب یہ ہے کہ کشانوں (کسانوں) کے کتبات و مسکوکات سے کسی پشتو زبان کا کوئی لفظ نہیں نکالا جاسکتا، کشانوں (کسانوں) کی زبان پوٹھوہاری اور گوجری زبانوں کے قریب تھی۔

مورخین و محققین کے مطابق کشان دراصل گجر تھے۔ گجروں میں کھٹانہ گوجر، ان کا شاہی خاندان مانا جاتا ہے۔

یہی کھٹانہ خیل خاندان ہندو شاہیہ کے عہد تک مختلف ناموں میں برسر اقتدار رہا اور مورخین کے مطابق راجہ جے پال کھٹانہ وغیرہ سارے گجر تھے۔ دوسری طرف افغانستان کے مورخین نے کھینچ تان کر راجہ جے پال کھٹانہ، راجہ انند پال کھٹانہ کے پشتو معنی نکالے ہیں۔

"اے شارٹ ہسٹری آف گرجر" کے مصنف رانا علی حسن چوہان کے مطابق کشان نسلاً گجر تھے اور ہندوانہ ذات پات کے لحاظ سے کھشتری تھے۔ رانا علی حسن چوہان گجروں کو ہندوستان کے اصلی قدیم باشندے تصور کرتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

۳۱۰۱ قبل مسیح میں مہابھارت کی جنگ میں تکشک حکمران نے کوروں کا ساتھ دیا۔ ان کا دارالحکومت تکشلا (اسے غلط طور پر ٹیکسلا یا ٹک شیلا کہتے ہیں) تھا۔ [illegible]

ٹکشوالا ہے۔ اس کی مختصر شکل ٹکش لا ہے۔ ٹکش، تھک یا تک، ٹنک ٹوٹک بھی ایک ہی قبیلے سے ہیں۔ تیسری صدی عیسوی میں ٹکش بدھ ہو گئے اور ٹکشلا صدیوں تک علم کا مشہور مرکز رہا۔ یہ علاقہ تک دیش کہلاتا تھا۔ کلہن کشمیری کی قدیم کتاب راج ترنگنی میں اس کا حوالہ ملتا ہے۔

وہ لکھتا ہے:

کشمیر کے حکمران شنکر ورمن نے گجر راجا لاکھن، جس کا تعلق تھک خاندان سے تھا، پر حملہ کر دیا۔ اس نے اپنی سلطنت (گرجر بھومی) کو تک دیش (موجودہ ٹیکسلا) راجا شنکر ورمن کے حوالے کر کے بچا لیا۔ گویا اس نے انگلی دے کر سارے جسم کو بچا لیا۔ یہ واقعہ ۸۹۰ عیسوی میں پیش آیا۔ اس گرجر بھومی میں دریائے بیاس سے لے کر شمال مغرب میں دریائے کابل تک کا علاقہ تھا۔ چج دوآب میں گجرات اور مردان میں گجرات کا علاقہ اس گرجر بھومی کے آثار کے طور پر آج بھی موجود ہیں۔ یہ حکومت محمود غزنوی کے حملوں کی وجہ سے ختم ہوئی۔ جنگ آزادی میں حصہ لینے والا آخری شخص انند پال کا بیٹا تری لوچن پال تھا اس نے کشمیر میں پناہ لی۔ تک، ٹنک، ٹوٹک، تھک، کھت، ٹھکر، دھکر، ٹھاکر یا ٹھیکر یہ، ایک ہی خاندان ہے جو مختلف علاقوں میں مختلف انداز سے بولا اور لکھا جاتا ہے۔ کھٹانہ گرجر سارے برصغیر میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ جے پال کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

رانا علی حسن چوہان کی تحقیق کے مطابق ہندو شاہیہ حکمران نسلاً کھٹانہ گجر تھے اور ہندوانہ ذات پات کے لحاظ سے کھشتری تھے۔

ماہر آثار قدیمہ، کئی زبانوں کے عالم، کتبوں کے زبان شناس رانا علی حسن چوہان چونکہ جدید تعلیم یافتہ اور تحقیق کے اصولوں سے بخوبی واقف ہیں اس لیے ہم ان کی توجیہہ کو تسلیم کرتے ہیں۔

وہ لکھتا ہے:

یہ کھٹانہ جھانسی ڈویژن میں وندھیا چل پہاڑوں کے دامن میں حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کا مرکز شمشیر گڑھ تھا۔ برطانوی دور حکومت میں یہ ایک ٹریٹی

سٹیٹ تھی جس کے حکمرانوں کو برطانوی حکومت گیارہ توپوں کی سلامی پیش کرتی۔ شمشیر گڑھ کے ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ کھٹانوں کا جدامجد راجہ کیدار رائے کھٹانہ تھا۔ یہ معزز شخص حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے پہلے تھا۔ اس کی نسل میں بتدریج راجہ لاکھن پال کھٹانہ، راجہ سوم پال کھٹانہ، راجہ جگ پال کھٹانہ، راجہ ست پال کھٹانہ، راجہ جے پال کھٹانہ اور راجہ انند پال کھٹانہ تھے۔ ان میں آخری لاہور اور کابل کا حکمران تھا۔

کشان، کاشان اور کسانہ کے بارے میں شاہان گوجر کے فاضل مصنف نے علم اللسان و الصوت کی معارف مثالوں سے کشان، کاشان اور کسانہ کو ایک ہی لفظ قرار دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

بعض الفاظ بوجہ تبدیل وتعلیل یا تقدیم و تاخیر حروف اس قدر غریب ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنے اصلی نام سے بالکل الگ تھلگ معلوم ہوتے ہیں لیکن جب کسی لفظ کو اصل سے ملایا جاتا ہے اور تعلیل یا تبدیل حروف کو مثالوں سے واضح کر دیا جاتا ہے تو یقین ہو جاتا ہے کہ واقعی اس لفظ کی اصل یہی ہے اور موجودہ صورت بوجہ تعلیل بگڑ گئی ہے، زمانہ موجودہ میں جہاں جہاں گوجر ہیں کسانہ (کشان) ان کی مشہور شاخ ہے۔

علم التلفظ کے ماہرین فوراً اس کو تسلیم کریں گے کہ موجودہ کسانہ ہی تاریخی کشان ہیں جن کا مایہ ناز مورث کنشک شہنشاہ تھا۔ یہ تو ہر طرح مسلم ہے کہ سین اور شین کا آپس میں تبادلہ ہو جاتا ہے۔

پس کسانہ اور کشان (کشانہ) کی صورت ایک ہی ہے اور کسانہ میں ہانسبت کی ہے جیسے دولتانہ دولت خان کی اولاد، ملکانہ ملک کی اولاد، بڈھانہ، بڈھا کی اولاد وغیرہ وغیرہ۔

کسانہ، کسان سے نسبت رکھتے ہیں۔ اب رہا تبدیلی سین وشین کا ثبوت تو یہ تبدیلی عام ہے، پنجاب کے ایک ضلع میں عام لوگ بس بسین مہملہ (بمعنی فقط) کہتے ہیں، دوسرے ضلع میں بش بشین معجمہ کہتے ہیں، تبدیلی کے لیے جاہل لوگوں کی زبان کو دیکھنا چاہیے، پڑھے لکھے آدمی بہت کم تبدیلی کرتے ہیں، بجز اس کے کہ کوئی لفظ متغیر ہو کر عام بول چال میں مستعمل ہو گیا ہو مثلاً بن باسی (صحرانشین) کا لفظ عام ہے، دراصل یہ بن باشی بشین معجمہ تھا۔

جب فارسی لفظ (باش) ہندی لفظ بن (جنگل) سے مرکب ہوا تو بن باسی میں شین معجمہ سین مہملہ ہوگیا۔ کپڑے پر جو ریشم وغیرہ سے بیل بوٹا بنایا جاتا ہے اس کو کشیدہ کہتے ہیں مگر اب عام طور پر اس کو کسیدہ کہا جاتا ہے، برش بمعنی سال کا برس اور شکر کا سکر، دھرم شالہ کا دھرم سالہ، بارش کا برسات، مشک کا مسک ہوگیا۔ اس طرح کی سینکڑوں مثالیں ہیں مگر ذی فہم کے اطمینان کے لیے اسی قدر کافی ہیں اور دیگر قرائن قیاسی و تاریخی واقعات کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ کسانہ اور کشان ایک ہیں۔

ہمارے ان دلائل کو سن کر کوئی جاہل ہی ہوگا جو اس دعویٰ کو کہ کسانہ اور کشان (کشانہ) ایک ہیں تسلیم نہ کرے۔ ضلع گجرات اور دیگر اضلاع میں گوجر کسانہ (کشانہ) کثرت سے موجود ہیں۔ گجرات میں ان کے نام پر ایک بہت بڑا موضع "پنجن کسانہ" آباد ہے۔ کشان بادشاہ عرصہ دراز تک وسیع سلطنت پر حکمران رہے ہیں۔

تاریخ پاک و ہند کا مصنف لکھتا ہے:

چین میں گوجر قوم کی اکثریت رہی ہے ان ہی میں سے کشان (کسانہ) خاندان بھی ہے۔ اس بہادر، دلیر اور جنگجو خاندان نے چین سے لے کر ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر یونانی حکومت ختم کر کے کابل و قندھار پر اپنا تسلط جما لیا اور پھر بڑھتے بڑھتے یہ لوگ گنگا کی وادی پر بھی قابض ہوگئے۔

اس خاندان کا تیسرا بادشاہ جس نے چالیس سال سے زیادہ حکومت کی کنشک ہے، جو اس خاندان کا سب سے بڑا فاتح تھا۔ اس نے ہندوستان سے نکل کر کشمیر، یارقند، ختن اور کاشغر وغیرہ علاقے فتح کیے۔ اس خاندان کی حکومت چینی ترکستان سے لے کر متھرا اور کوہ ہمالیہ سے لے کر بندھیاچل تک پھیلی ہوئی تھی۔ جس کا دارالخلافہ پشاور تھا۔ جس کو اس وقت پرش پورہ کہا جاتا تھا۔ کنشک بدھ مت کا پیرو تھا اور فرقہ مہایان سے تعلق رکھتا تھا۔ جو بدھ کو دیوتا مان کر اس کی پوجا کرتے تھے۔

مگر بدھ کی تعلیم کے برعکس اس کی زندگی کو امن و چین سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ اس میں وہ اپنے خاندان کی روایات کے مطابق اپنی پوری زندگی ملک گیری کی ہوس لیے پھرتا رہا

اور مسلسل تیس سال تک جنگ کرتا رہا۔ آخر اس کے فوجی جنگ سے تنگ آ گئے اور ختن میں وہ اپنی ہی فوج کے ہاتھوں مارا گیا اور پشاور واپس نہ آ سکا۔ اس گوجر خاندان کشان (کسانہ) کی حکومت ۸۰ء سے ۱۸۷ء تک ۸۹ سال سے زیادہ بنتی ہے۔ (تاریخ پاک و ہند از سید ماجد علی، ص ۱۸۴۔۱۹۱)

بے شمار حوالہ جات سے ثابت ہے کہ کشان خاندان جس کا پایہ تخت پشاور تھا اور جس نے ۸۰ء سے لے کر ۱۸۷ء تک ہندوستان پر حکومت کی ہے۔ قوم گوجر کا ایک خاندان تھا۔

گوجر قوم اب علم و فن کے زیور سے آراستہ ہے۔ تجارت و زراعت بھی کرتی ہے تاہم اس قوم کا ایک حصہ اب بھی فلک بوس پہاڑوں میں رہتا ہے۔ سردیوں میں اکثر یہ لوگ گرم علاقوں کی طرف آتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ پہاڑوں کے علاوہ میدانی علاقوں میں بھی ان کی املاک پائی جاتی ہیں۔

اب گوجر قوم تعلیم اور شعور کے میدان میں کسی سے کم نہیں۔ جس کی واضح مثال ان کے اخبار و جرائد کی اشاعت ہے۔ کراچی، لاہور، راولپنڈی اور آزاد کشمیر سے اس قوم کے رسائل بھرپور جدت کے ساتھ شائع ہوتے ہیں۔

گو کہ جدت اور خوبصورتی میں بہت اچھے ہیں مگر مضامین کے لحاظ سے ایک نوجوان صحافی محمد مظہر اللہ گوجر کا رسالہ "گوجرلنک" اپنے ہم عصر رسائل پر اپنے معیاری تاریخی، لسانی، ثقافتی مضامین کے لحاظ سے فوقیت رکھتا ہے اور سنا ہے کہ یہ واحد رسالہ ہے جو "گوجری زبان" میں ریاست پاکستان میں رجسٹرڈ ہے۔

اس قوم کے ہزاروں لوگ لوگ باہر کے ممالک میں اپنے پاؤں جما چکے ہیں۔ بونیر، سوات اور دیر میں ان کے بڑے بڑے گاؤں ہیں۔ یہاں تک کے مردان اور صوابی میں ان کی جائیدادیں ہیں اور بحیثیت مالکان اراضی گزر بسر کرتے ہیں۔ ان کی زبان گوجری ہے۔ مگر دیگر ہمسایوں کے ساتھ ان کی زبان میں بات چیت کرنے میں اچھی مہارت رکھتے ہیں۔

☆......☆......☆

باب:۷

افتالی، ہفتھالی، ہیاطلہ یا سفید ہن

افتالی یا سفید ہن کون تھے؟ مدتوں تک ان کی اصل نسل کے متعلق بحثیں ہوئی ہیں بالآخر مورخین نے انہیں ستھین قبائل کی ایک شاخ مان لیا۔ افتالیوں کو ہنتالیوں کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے، عربوں نے انہیں ہیاطلہ کا نام دیا ہے۔

پہلے پہل یہ وسط ایشیا کے علاقوں سے اٹھ کر ایران پر حملہ آور ہوئے جہاں نوشیروان عادل کی فوجوں نے انہیں زیروزبر کردیا۔ ایران سے ناامید ہوکر ان کی بقیہ فوجیں افغانستان اور ہندوستان کی طرف آ گئیں۔

ان کے پہلے بادشاہ "تورامانا" نے گندھارا کو فتح کرکے پنجاب کی طرف پیش قدمی کی۔ اس کا بیٹا "مہرگل" یا "مہرگالہ" انتہائی سفاک بادشاہ تھا جس کا دارالخلافہ سیالکوٹ (سکالا) تھا۔ دیر کی تاریخ میں ہنوں کی اہمیت کئی لحاظ سے زیادہ ہے:

۱۔ ان کے طوفانی حملوں سے دیر کی خانقاہیں خاک و راکھ کا ڈھیر بن گئیں اور بدھ مت رو بہ زوال ہوگیا۔

۲۔ ہنوں کی ایک ذیلی شاخ "تالاس" کے نام پر قدیم "مساگا" کا نام "تالاس" پڑ گیا۔ جو بعد میں کثرت استعمال کی وجہ سے تالاش ہوگیا۔

۳۔ ہنوں کے ساتھ گرجارا (گرجر) بھی برصغیر کے شمالی علاقوں میں وارد ہوئے۔ یہی بعد میں گوجر کہلائے۔ آج بھی پشتونخوا میں ان کی ایک کثیر تعداد پائی جاتی ہے۔ دیر میں بھی گوجروں کی کافی تعداد بسی ہوئی ہے جو مال مویشی پالنے اور کھیتی باڑی کے پیشہ سے

منسلک ہیں۔ مال مویشی سے محبت ان کے خون میں رچی بسی ہے۔ گوجر قوم زیادہ تر پہاڑی چوٹیوں پر آباد ہے۔

ہنتالی، افتالی قبیلہ کے بارے میں شاہان گوجر کے مصنف کی رائے یہ ہے:

تاریخوں سے ثابت ہے کہ ہن قبیلہ کا سردار جاولا تھا، ہن وہ قبیلہ ہے جس کو انگریزی تاریخوں میں الیف تھلایٹ یا وائٹ ہن (سفید ہن) کہتے ہیں۔ قدیم ہندی تاریخوں میں ہن کا نام بارہا آیا ہے مگر تورمن کے قبیلہ ہن سے ہونے پر صرف ایک شہادت کتبہ مند سور مورخہ ۵۳۵ء سے ملتی ہے، اس کتبہ سے ضمناً یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مہر کلا (مہرکل) پسر تورمن جسے یشودھرمن نے شکست دی تھی۔ خاندان ہن کا راجہ تھا۔

پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گوجر اور ہن ایک ہی ہیں اور ہن کہتے ہیں اس شخص کو جو دوسرے ملک سے آئے کہ یہ نام ان کا وصفی ہو۔

ڈاکٹر فلیٹ کی یہ رائے ہے کہ میترک یا مہر جن کو اب میر (گوجروں کا ایک گوت ہے) کہتے ہیں ایک خاص جرگہ قبیلہ ہن کا تھا جس میں تورمن اور مہرکل شامل ہیں۔

پس ان دلائل و روایات کی بناء پر ہم جرات کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تومر خاندان کا نام لفظ تورمن سے لیا گیا ہے ہم ایسی تبدیلی کی مثالیں متعدد جگہوں میں بیان کر آئے ہیں۔

راج ترنگنی میں یہ لفظ کبھی تومرانا اور کبھی تورامانا لکھا گیا ہے۔ ہندوستان کے علاوہ بیرونی شہادت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ تورمن اور مہرکل قبیلہ ہن گوجر سے ہیں۔

گولس جسے کوسس انڈوپلوسٹیس ہندوستانی قبیلہ سفید ہن کے بادشاہ سے تعبیر کرتا ہے غالباً مہرکل ہے اور بعض روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ مہرکل اور تورمن گوجر ہیں۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ ہن کے بعض قبائل نے مختلف نام اختیار کر لیے ہوں یا ہن قبیلہ کے سرداروں نے شخصی امتیاز کے طور پر علیحدہ علیحدہ نام رکھ لیے ہوں جیسا کہ گوجروں کے افراد علیحدہ علیحدہ گوت سے مشہور ہیں مگر ہر ایک گوت کا سلسلہ گوجر تک پہنچتا ہے۔

عام طور پر مورخین تو کلیتاً مثلاً گوجر، جاٹ، اہیر کے الفاظ سے نتائج اخذ کرتے ہیں مگر ہم نے ہر ایک خاندان کی جزئیات (گوتوں کے الفاظ و تعلقات) کو پیش نظر رکھ کر دائرہ تحقیق کو زیادہ وسیع

کر دیا ہے۔ہم نے صرف الفاظ سے کسی نتیجہ کے اختیار کرنے میں عجلت نہیں کی جب تک کہ اس کے موید واقعات پر غور نہیں کرلیا،اس نتیجہ کے مویدات درج ذیل ہیں:

الف: ہن یا قبالی کا بیان تاریخ ہائے قدیم میں بحرف تردید ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ قبالی ہن ایک ہیں یا قبالی ہن کی شاخ ہے۔

ب: معتبر تاریخوں میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ گوجر سفید ہن ہیں یا ان کے بھائی بند۔

ج: قبالی گوجروں کا وسط ایشیا سے آنا اور کاشغر و کشمیر وغیرہ پر حکومت کرنا۔

د: قبالی گوجروں کا ضلع گجرات پنجاب میں پایا جانا اور ان کے نام پر موضع قبالیاں کا ہونا یہ تمام امور ایسے ہیں جن سے کوئی سمجھدار انکار نہیں کرسکتا۔

چوہان،تنور،قبالی،سونگی، چھاوڑی،کولی، پرہار، کھیلہ ،چیچی ،سو دیہ سب گوت گوجروں کی ہیں اور تاریخوں سے ثابت ہے کہ ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں حکومت کی ہے اور ہم نے ایک گوت کے راجاؤں یا رئیسوں کی حکومت کا تذکرہ کیا ہے۔یہ ایسے الفاظ ہیں کہ جن سے ایک دوسرے کی تائید ہوتی ہے۔اس سے پہلے عام لوگ ان اقتباسات واستنباطات سے واقف نہیں تھے لیکن اب اس تاریخ کے پڑھنے سے تمام شک وشبہات دور ہو جائیں گے۔میرا خیال ہے کہ قبالی خاندان کشان (کسانہ) کی شاخ ہے۔

افتالوی گوجروں کا مشہور گوت ہے، ضلع گجرات میں اس خاندان کی جماعت اب بھی موجود ہے۔

پس ثابت ہوا کہ گوجروں کی سلطنت ۵۰۲،۵۵۶ء میں کاشغر و کشمیر پر تھی۔

وی۔اے سمتھ افتالوی خاندان کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

۵۰۲،۵۵۶ء کے درمیان ایک اور زبردست سلطنت صفحہ تاریخ پر جلوہ گر ہوتی ہے جس کا آغاز اس طرح ہوا کہ رفتہ رفتہ چھٹی صدی کے نصف اولین میں مغربی ممالک سے چینی کلیتاً بے دخل ہو چکے تھے اور افتالوی خاندان نے ایک وسیع سلطنت کی بنیاد قائم کرلی تھی جس میں کاشغر، کشمیر، پشاور اور قندھار شامل تھے لیکن ۵۶۲،۵۶۷ء میں مغربی ترکوں اور ایرانیوں نے افتالوی سلطنت پر اپنا قدم جما لیا اور افتالیوں کو نکال دیا چنانچہ ۶۳۰ء میں جب ہیون سانگ (چینی سیاح) اس ملک میں آیا تو ترکوں کے سردار اعظم سے اس نے پاسپورٹ حاصل کیا۔(قدیم تاریخ ہند)

رتبیل

ہنوں کے بعد افغانستان میں رتبیلوں کی حکومت بنی جس کی ہمیشہ مسلمان حملہ آوروں سے لڑائیاں رہتی تھیں۔مسلمانوں نے ان بادشاہوں کو رتبیل، زنبیل وغیرہ ناموں سے لکھا ہے۔ان کا دارالخلافہ موجودہ کابل شہر کے قریب تھا۔یہ مطیع ہو کر پھر سرکشی کر لیتے تھے۔اسی طرح یہ سلسلہ سالہا سال تک جاری رہا۔پشتون مورخین نے انہیں "رتہ پال" لکھا ہے۔رتہ پال ان حکمرانوں کا لقب تھا۔یہ وہ زمانہ تھا کہ ابھی پشتونوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

گندھارا کا زیادہ تر علاقہ ان کی رعایا تھا۔اسی زمانہ میں عربوں کے حملے پشتونخوا کی حدود تک پہنچ گئے تھے۔الاہوار اور اودے بند (صوابی) پر عربوں کے حملوں کا ذکر عرب مورخین نے کیا ہے۔یہ دونوں مقام موجودہ صوابی کے لاہور اور ہنڈ کے ناموں سے پہچانے جاتے ہیں جو اس زمانے میں دفاعی نقطہ نظر سے اہم مقامات تھے۔

لاہور وہ تاریخی قصبہ ہے جہاں سنسکرت کے بڑے عالم پانینی کی پیدائش بیان کی جاتی ہے۔ پانینی سکندر اعظم کے ہمعصر جانے جاتے ہیں۔ہنڈ میں ایک تاریخی قلعے کی فصیل اب بھی موجود ہے جو عہد کشان سے منسوب ہے۔

ہندوشاہیہ حکمران

رتبیلوں کے بعد ہندوشاہیہ کو عروج حاصل ہوا جنہیں "کابل شاہان" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، راجہ جے پال اور انند پال (پشتو کے مشہور عالم اور ادیب عبدالحئیؒ کے نزدیک یہ نام پشتو ہیں۔"پشتو مقالہ") اس خاندان کے مشہور حکمران گزرے ہیں۔

راجہ جے پال کے سلطان سبکتگین سے اور انند پال کے سلطان محمود غزنوی سے مقابلے ہوئے تھے۔

کابل میں ہندوشاہیہ کی حکومت کمزور ہوگئی تو انہوں نے پشاور اور سوات کی طرف توجہ دی۔ سوات میں اس خاندان کے کئی کتبے دریافت ہوئے ہیں۔سوات اور دیر زیریں میں ہندوشاہیہ کے بہت سے کھنڈرات ہیں جو زیادہ تر فصیلوں اور برجوں پر مشتمل ہیں۔

محمود غزنوی کے طوفانی حملوں کے سامنے ہندوشاہیہ حکومت نہ ٹک سکی۔ پشاور کے بعد محمود غزنوی نے دیرزیریں اور سوات کے ہوڈی گرام پر کامیاب حملے کیے۔

یہاں سے مکمل طور پر ہندوشاہیہ کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ہنوں کی دستبرد سے جو خانقاہیں بچی تھیں۔ محمود غزنوی کی بت شکن فوج نے ان کو ملیامیٹ کردیا۔

ہندوشاہیہ دیر میں

دیرزیریں کے بے شمار کھنڈرات سے ہندوشاہیہ کے استحکام کا پتہ چلتا ہے، کلنگی سے لے کر چکدرہ تک کے تمام پہاڑوں پر حفاظتی حصار بنے ہوئے ہیں جو ہندوشاہیہ کی فوجی طاقت کے غماز ہیں۔

دیر کے کئی اہم مقامات ہندوشاہیہ کی طرف منسوب ہیں۔ جن میں شاہی، بن شاہی اور شاہ ڈھیری (چکدرہ) قابل ذکر ہیں۔ دیر کا ایک گاؤں منجائی، منجا دیوی سے منسوب ہے۔

جو راجہ ہوڈی کی بیٹی تھی۔ راجہ ہوڈی موجودہ ہوڈی گرام کا حاکم تھا۔ (مگر یہ زبانی روایات ہیں)

محمود غزنوی کے حملوں کے ساتھ پشتونخوا میں فارسی اور ترک تہذیب کا عمل دخل ہوا، محمود غزنوی خود ترک تھا اور اس کی فوج میں ترک سپاہیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد شامل تھی۔

دیر کے اہم علاقے جندول کا نام شاید اسی زمانے میں پڑا ہے۔ جندول ترکی زبان کا لفظ ''چندوال'' ہے جس کے معنی فوجی دستے یا کیمپ کے ہیں۔

ظہیر الدین بابر نے جندول کو ''چندوال'' لکھا ہے۔

محمود غزنوی کے بعد ان کے جانشین خاندانی جھگڑوں میں ایسے پھنس گئے کہ انہیں اپنی مملکت کا خیال نہ رہا۔ یکے بعد دیگرے کئی علاقے خود مختار ہو گئے۔

پشتونخوا کے زیادہ تر علاقے حکومت سے آزاد ہو گئے اور ایک لمبے عرصے کے لیے یہاں کسی حکومت کا عمل دخل نہ رہا۔ تا آنکہ بابر نے اپنی طالع آزمائی کا آغاز پشتونوں کے علاقے سے کیا۔

مولانا عبدالمالک خان چوہان راجہ جے پال کی سلطنت جغرافیہ بتاتے ہیں:

راجہ جے پال کھٹانہ عظیم الشان سلطنت کا فرمانروا تھا وادی سندھ کا بالائی حصہ اور پنجاب کا وہ حصہ جو مغرب کی طرف کوہستان تک اور مشرق کی طرف دریائے ہکوا تک وسیع ہے اس کے زیر نگین تھا، اس سلطنت کا دارالحکومت بھٹنڈا تھا جو اب ریاست پٹیالہ کا مشہور قصبہ ہے۔ (شاہان گوجر)

کابل، قندھار اور پنجاب پر ۹۰۰ء سے ۱۰۱۳ء تک ۱۱۳ سال راجہ الکھان کھٹانہ اور اس کے خاندان نے حکومت کی جس کا خاتمہ سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں ہوا۔

راجہ جے پال کو تاریخ میں کھٹانہ لکھا ہے۔ (شاہان گوجر، ص ۱۶۹)

رانا علی حسن چوہان لکھتے ہیں کہ:

مہاراجہ کھٹ رائے کے آباؤ اجداد کھٹ رائے کی اولاد ہونے کی وجہ سے کھٹانہ کہلاتے تھے۔ (تاریخ گرجر، ج ا، ص ۱۰۶)

راجہ کھٹ رائے مصنف ''کھٹ شاستر'' سنسکرت کا بہت بڑا عالم تھا اس کی اولاد کو کھٹانہ کہتے ہیں راجہ جے پال کھٹانہ بھی اسی خاندان سے ہے۔

مولانا عبدالمالک خان چوہان اور مرزا اعظم بیگ لکھتے ہیں کہ:

دو بھائی ہوئے ہیں۔ راجہ کھٹانہ اور راجہ جگدیو۔

راجہ کھٹانہ حضرت شیخ سید علی ہجویریؒ کے ہم عصر ہوئے ہیں اور انہیں کے دست حق پرست پر ایمان لا کر حلقہ اسلام میں داخل ہوئے اور ان کے مرید اور خلیفہ ہوئے اور بادشاہ وقت سلطان محمود نے موضع شاہ پور کا وسیع رقبہ جاگیر راجہ کھٹانہ کو دے دیا جس کو کئی پشتوں تک راجہ کھٹانہ کی اولاد کھاتی رہی اور آج بھی یہ علاقہ انہی کے قبضہ میں ہے۔

آٹھویں پشت میں راجہ جے پال کھٹانہ کی نسل سے بارہ فرزند ہوئے جن کے نام یہ ہیں:

میر، خوشی، جیدا، ریتا، جاول، ٹھیلہ، رترا، اودیرا، کورا، کوولا، راجہ لکھن پال کھٹانہ، مکھن۔

(شاہان گوجر، ص ۱۷۰، تاریخ گجرات، ص ۳۵۶)

یہ یاد رہے کہ کھٹانہ گوت کا نام اس لیے کھٹانہ نہیں رکھا گیا کہ یہ لوگ راجہ کھٹانہ (ہم عصر سید علی ہجویریؒ) کی اولاد تھے بلکہ راجہ جے پال کھٹانہ اور اس کا پورا خاندان کھٹانہ تھا۔

کھٹانہ اس خاندان کا نام راجہ کھٹ رائے کی نسبت سے ہے۔

مرزا اعظم بیگ لکھتے ہیں کہ:

راجہ جے پال کھٹانہ کا بیٹا انند پال کھٹانہ تھا۔ جس کے دو بیٹے راجہ کھٹانہ اور راجہ جگدیو کھٹانہ ہوئے ہیں۔ راجہ جے پال کھٹانہ کی آٹھویں پشت میں بارہ پسر ہوئے ہیں۔ جن میں سے ٹھیلہ، راترا، واویرا، راجہ کورا، راجہ لکھن پال کھٹانہ وخوشی کا کچھ پتہ نہیں کہ ان کی اولاد کس طرف گئی اور کیا ہوا۔ (تاریخ گجرات، ص ۳۵۶)

☆......☆......☆

باب: ۸

ظہیر الدین محمد بابر دیر میں

وسط ایشیا میں ناکام ہونے کے بعد بابر نے پہلے کابل اور بعدازاں پشاور پر نظریں جمائیں کابل کو فتح کرنے کے بعد ہندوستان کے مال وزر نے اسے للچایا۔ تخت دلی کو حاصل کرنے کے لیے پشتونوں کو رام کرنا ضروری تھا لہٰذا سب سے پہلے وہ پشاور تک آیا اور دوسرے حملے میں ہنگو کوہاٹ تک گیا۔

۱۹۔۱۵۱۸ء کے موسم سرما میں وہ باجوڑ تک آپہنچا۔ باجوڑ پر گبری قبیلے کا ایک رئیس سلطان حیدر علی حکمران تھا۔ بابر نے حملہ کر کے دو ہزار باجوڑیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بابر نے لکھا ہے کہ یہ لوگ دین اور اسلام سے ناآشنا تھے۔ میں نے ان کے سروں سے کلہ مینار بنانے کے احکام صادر کیے۔ اس کے بعد گرد و پیش کے کافروں نے شراب کی بھری مشکیں ہمیں پیش کیں جو کہنگی اور ذائقے کے اعتبار سے نرالی تھیں۔

بعدازاں وہ رود جندول کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ اس وقت سوات میں یوسفزئی لوگ آباد تھے۔ انہوں نے ڈر کے مارے کوہ مورہ میں پناہ لے رکھی تھی۔ ملک شاہ منصور جو یوسفزئیوں کا ایک سردار تھا۔ بابر کے کیمپ میں حاضر ہوا۔ اس نے بابر کو تحفتاً ایک نشہ آور معجون (کیمال) دیا جس کے کھانے سے وہ مدہوش ہو گیا۔

بابر نے یوسفزئیوں کو ناقابل تسخیر جان کر ایک اور چال چلی۔ اس نے ملک شاہ منصور کی بیٹی بی بی مبارکہ کا رشتہ مانگا۔ یوسفزئیوں نے بڑی ردوکد کے بعد یہ رشتہ منظور کیا۔ بی بی مبارکہ کی ڈولی دریائے سوات سے ہوتی ہوئی تلاش اور پھر رود جندول تک پہنچی۔

اس زمانے میں سوات پر سلطان اویس کی حکمرانی تھی۔ وہ رود جندول کے کیمپ میں موجود تھااور اس کے صلاح مشورے سے سب کام ہورہے تھے۔ بابر رود جندول سے آگے بڑھ کر تیمرہ گرہ تک آیا۔ اس زمانے میں تیمر گرہ کا نام ونشان نہیں تھا۔ بابر کے سوانح میں ''منبع پنجکوڑا'' کا ذکر ہے جبکہ تواریخ حافظ رحمت خانی میں دیارون تک بابر کے آنے کی اطلاع ہے اگر بابر واقعی منبع پنجکوڑا تک آیا ہو تو دیر کے موجودہ شہر تک اس کا آنا یقینی ہے۔ اس نے درہ دیر کے لوگوں سے خراج وصول کر کے سوات کا ارادہ کیا۔

سلطان اویس (جس کا دارالخلافہ موجودہ منگلور تھا) کی رہنمائی میں بابر کی فوج کا کچھ حصہ تالاش کے قریب بابر غاخے (پہاڑ کا نام ہے جو بابر کی وجہ سے مشہور ہے) سے ہوتا ہوا سوات پہنچا۔ سوات میں جو کچھ پیش آیا۔ وہ ہمارے دائرہ کار سے باہر ہے۔

بہر حال وہ براستہ اوچ واپس ہوا، کاٹ گلہ کے قریب چیڑ کے دو چھتنا ور درخت کھڑے تھے۔ بابر کو یہ درخت اتنے پسند آئے کہ ان کو اکھاڑ کر لے جانے کا ارادہ کیا لیکن کسی امیر نے صلاح دی کہ ان سربفلک درختوں کا کابل لے جانا دشوار ہے۔

لہٰذا ان درختوں پر اپنے ہاتھوں سے کوئی نشان لگاؤ؟ بابر کو یہ مشورہ پسند آیا۔ اس نے کمان سے تیر جوڑ کر ایک درخت میں پیوست کیا جو عرصہ دراز تک وہاں پیوست رہا۔ اکثر راہگیر بابر کی تقلید میں ان درختوں پر تیر برساتے تھے۔ بالآخر مرور زمانہ سے وہ درخت سوکھ گئے اور گر کر فنا ہو گئے۔

گبری

بابر نے سلطان حیدر علی کو بے دین اور مشرک کہا ہے۔ اس وجہ سے اس کے قتل کو جائز قرار دیا ہے حالانکہ حیدر علی نام مسلمانوں کا ہے۔ اسی طرح تواریخ حافظ رحمت خانی کا مولف سلاطین سوات کو گبر ــــ نام سے یاد کرتا ہے اور ان کی زبان کو گبری قرار دیتا ہے، لغت میں گبر کے معنی ''پارسی مذہب کے پیروکار'' کے ہیں۔

گبر فارسی لفظ ہے جس کا استعمال زرتشتوں کے لیے کیا جاتا ہے لیکن کبھی کبھار کافروں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

اگر سلطان حیدر علی اور سلطان اویس دونوں گبری تھے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مذہبا ایک جیسے تھے لیکن ان کی آپس میں دشمنی تھی جس کا فائدہ مغل تاجدار کو ہوا:

ا۔ سوات کے مشہور مورخ پروفیسر شاہین گبری کو گاؤری قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ شواہد کچھ اور بتا رہے ہیں۔ تواریخ حافظ رحمت خانی کے مولف تھانہ کو ''آتن جائے'' زبان گبری کی ترکیب بتاتے ہیں۔ جائے کے معنی تو زمین، مقام اور جگہ کے ہیں۔ آتن کوئی لفظ فارسی میں شاید نہیں ہے۔ البتہ ''آتن'' آستان اور استھن کا مخفف ہو سکتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ آتن کے معنی ''جرگہ'' بتاتے ہیں۔ البتہ پشتو میں ''آتن'' یا اتڑ کے معنی بھیڑ ار ہجوم کے ہیں۔

۲۔ پچھلے ابواب میں کہیں ذکر آیا ہے کہ سلطان اویس کے خاندان کا آخری حکمران بسنت کا تہوار مناتے ہوئے قتل ہوا تھا۔

۳۔ ملک احمد کی بہن سلطان اویس سے بیاہی گئی تھی اور یہ تو ظاہر ہے کہ پشتون غیر مسلموں کے ساتھ رشتے ناطے قطعاً نہیں کرتے۔ ان تمام شواہد کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سلاطین سوات و باجوڑ مسلمان تھے۔ ان کی زبان گاؤری یا کوئی اور فارسی آمیز زبان تھی اور شاید وہ مذہبا سنی نہیں تھے۔ یہی تو وجہ ہے کہ بابر انہیں دین اسلام سے ناآشنا گردانتا ہے۔ سلطان اویس کے متعلق اور کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ سوائے اس کے کہ وہ کانوں میں سونے کی بالیاں پہنتا تھا۔ جن کا اس زمانے کے شاہوں میں رواج تھا۔

یوسف زئیوں کی یلغاریں

ا۔ باجوڑ

یوسفزئیوں کے ایک سوداگر نے باجوڑ کے ایک شخص کے ہاتھ گھوڑے فروخت کیے تھے جس کی ادائیگی میں وہ پس و پیش کر رہا تھا۔ بالآخر نوبت جنگ تک پہنچی۔

سوات سے یوسفزئیوں کا لشکر باجوڑ تک آیا۔ مقام لاشوزہ کے قریب ایک جگہ ہے جس کا نام لکہ تیگہ (سنگ ایستادہ) ہے وہاں ولزاکوں اور یوسفزئیوں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا۔ واضح

رہے کہ خلیل، ترکلانی اور محمند بھی یوسفزیوں کی مدد کو آ پہنچے تھے۔ دلزاکوں کو شکست فاش ہوئی اور ان کا سردار ملک ہیبو قتل ہوا، اس طرح باجوڑ پر بھی یوسفزیوں کا قبضہ ہوا۔

۲۔ تالاش پر تاخت

سوات پر قبضہ کرنے کے بعد یوسفزئی نوجوان اکثر دیر زیریں کے علاقوں پر تاختیں کرتے تھے۔ عید کے دن یوسفزیوں کے کچھ نوجوان تالاش تک بغرض تاخت آئے۔ تالاش کے پہاڑ پر عہد کفار کا قلعہ تھا جس کے سامنے اناروں کے باغات تھے۔ یوسفزیوں نے تالاشیوں کے کچھ مویشی پکڑ لیے اور انہیں تھانہ کی جانب ہنکانے لگے۔

تالاشیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے تعاقب کیا۔ یوسزیوں نے پلٹ کر حملہ کیا بہت سے تالاشی قتل ہوئے۔ خان کجو کے بھائی مزید خان نے ایک تالاشی پر حملہ کرنے کی غرض سے گھوڑا دوڑایا۔ وہ ندی کے پار جانے والا تھا کہ مزید خان نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑے نے ایک زبردست چھلانگ لگائی اور مزید خان نے ندی کے پار تالاشی کو نیزے میں پرولیا۔ بعد میں چھلانگ کا اندازہ لگایا گیا تو پتہ چلا کہ گھوڑے نے نو گز چھلانگ لگائی تھی۔

ایک عرصے تک وہ مقام "گھوڑ ترپ" کے نام سے مشہور رہا۔ افغان شجرہ نویسوں کے مطابق ۱۵۳۰ء کے لگ بھگ شیخ ملی نے بندوبست دوامی کے اصول وضع کیے۔ جن کی رو سے ملی زئیوں کو یر کی سرزمین تفویض ہوئی۔

سلاطین گبری دیر میں

یوسفزیوں نے سوات پر قبضہ کیا تو سوات کا حاکم سلطان اویس مع اپنے مال و متاع کے ساتھ گ درہ (دیر) منتقل ہوا اور وہاں ٹھاٹھ کی زندگی گزارنے لگا۔

نہاگ درہ کے متعلق میجر راورٹی کا بیان ہے کہ یہ وہ درہ ہے جس کا ذکر مشہور بدھ زائر ہیون ک نے کیا ہے۔ وہ خود یہاں تک آیا تھا۔ اس نے اسے "نائیکے" کے نام سے یاد کیا ہے۔

سلطان اویس نے نہاگ درہ میں اپنے لئے قلعہ بنوایا جس کا نام اس نے لاہور رکھا تھا۔ اس ت کے بعد اس کے دو بیٹے قران شاہ اور فیروز شاہ رہ گئے تھے۔ جن میں قران شاہ

یوسفزیوں کے ہاتھوں یوم نوروز کے دن قتل ہوا۔ فیروز سردار بن گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان ماہ حاکم بن گیا اور پھر اس کا بیٹا زین اعلےٰ سردار بنا۔

نہاگ درہ کے پہاڑوں کے لیے تواریخ حافظ رحمت خانی میں "کوہ کفار" کا نام استعمال ہوا ہے۔ شاید کوہ ہندوراج کے تتبع میں ایسا لکھا گیا ہے۔

کیا گبری مسلمان تھے؟

بابر بادشاہ نے اپنی یادداشتوں میں سلطان حیدر علی کو بے دین لکھا ہے اور ان کے لشکریوں کے قتل کو جائز قرار دیا ہے۔

واضح رہے کہ بابر بادشاہ متعصب سنی تھا۔ دین اسلام سے بخوبی واقف تھا۔ فقہ پر ان کی کتاب "مبین" میں اس امر کی شہادت ہے کہ ان کو علوم اسلامی پر دسترس تھی۔

سوات کے حاکم بسنت مناتے تھے۔ اخوند درویزہ کی کتاب "تذکرۃ الابرار" بھی سواتیوں کے زرتشتی رسوم کا ذکر کرتی ہے۔ ان رسوم سے ہمیں تھوڑا سا اندازہ ہو سکتا ہے کہ شاہان سوات اور باجوڑ سنی المذہب نہ تھے اور سنی نہ ہونے کے سبب بابر نے گبریوں کا قتل عام کیا تھا۔

چونکہ اس زمانے میں علماء کم تھے۔ عوام پیروں اور مرشدوں کے اشارہ ابرو پر چلتے تھے۔ خود اخوند درویزہ نے بھی ان علاقوں میں بہت سے جعلی پیروں کا بھانڈا پھوڑا ہے۔ سید علی ترمذی کے آنے کے بعد اس علاقہ میں علوم و فنون کا چرچا ہوا۔

یوسف زئیوں سے پہلے دلازاک اور سواتی لوگوں کے حالات کی تفصیل نہیں ملتی۔ اخوند درویزہ نے دلازاکوں میں شیخ آدم بن علی کا ذکر کیا ہے۔ جن کی قبر تخت بائی (مردان) کے شمال مغرب میں برسر سڑک واقع ہے۔

☆......☆......☆

باب:۹

اکبری فوجیں دیر میں

بابر کی موت کے بعد ہمایوں تخت نشین ہوا، وہ اپنی مشکلات میں ایسا گھرا ہوا تھا کہ اس نے روہ (پشتونخوا) کا رخ نہ کیا۔ اگرچہ کابل پر اس کا قبضہ ہوا تھا مگر میدانی علاقے سے اس کی حکومت آگے نہ بڑھ سکی تھی۔ ایران سے وہ براستہ کرم و کوہاٹ ہندوستان میں وارد ہوا تھا۔

۱۵۸۱ء میں جلال الدین محمد اکبر کابل سے واپس جا رہا تھا کہ یوسفزئیوں نے اسے روشنائی تحریک کے متعلق آگاہ کیا اور اس کی خدمت میں روشنائی اسیروں کو پیش کیا۔ یہ یوسفزئیوں کے کوہی مسکنوں سے اکبر کی پہلی آگاہی تھی۔ وہ اکثر کابل آیا جایا کرتا تھا۔ جرنیلی سڑک کی حفاظت کے لیے اس نے خوشحال خان خٹک کے دادا کو محصول چنگی کا مختار بنا دیا تھا۔

۱۵۸۵ء میں اپنے بھائی مرزا محمد حکیم کی بیماری کا سن کر وہ کابل روانہ ہوا مگر راستے میں اسے خبر ملی کہ مرزا فوت ہو گیا ہے لہٰذا اٹک پہنچنے پر اس نے تسخیر کشمیر کا ارادہ کیا لیکن وہاں کے ہندوؤں، خلیلوں اور خٹکوں نے اکبر بادشاہ سے یوسفزئیوں کی زیادتیوں کا ذکر کیا نیز اسے بتایا گیا کہ جرنیلی سڑک یوسفزئیوں کی سرکشی کے باعث غیر محفوظ ہے لہٰذا ان کی بیخ کنی نہایت ضروری ہے۔

بادشاہ نے ان شکایات کی وجہ سے یوسفزئیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے اپنے سوتیلے بھائی زین خان کوکلتاش کو ایک بھاری فوج کی ساتھ روانہ کر دیا۔ زین خان اپنی فوج کو بڑھاتے ہوئے باجوڑ پہنچ گیا۔ ان کی فوج میں شیخ فرید، بخاری اور قرا بیگ سپہ سالاری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ انہوں نے بڑی لوٹ مار کے بعد دربار اکبری میں اپنی فتح مندی کا مژدہ سنا دیا۔ ساتھ ہی باغیوں (پشتونوں) کی بیخ کنی کے لیے مزید کمک بھیجنے کی درخواست کی۔

جنوری ۱۵۸۶ء میں دو فوجیں روانہ کر دی گئیں۔ ایک کی قیادت سعید خان گکھڑ کے ہاتھ میں تھی جس میں مشہور نورتن فیضی بھی شامل تھا۔ یہ فوج علاقہ سمہ (مردان کے میدانی علاقوں میں) بھیجی گئی تھی۔

دوسری فوج کی قیادت بیربر (بیربل) کے ہاتھوں میں تھی۔ اسی فوج میں مشہور موجد فتح اللہ شیرازی بھی شامل تھے۔ بیربر کی فوج مالاکنڈ سے ڈوگ پہنچی (ڈوگ دیر زیریں میں پنجکوڑا کے قریب ایک گاؤں ہے) تو یوسفزئیوں نے اس کا راستہ روکا۔ زبردست معرکہ ہوا۔ اکبری فوجیں لاشیں چھوڑ کر پسپا ہو گئیں۔ بے شمار مال غنیمت یوسفزئیوں کے ہاتھوں آیا۔

ان ایام میں زین خان شہر گبر (باجوڑ) کی فتح سے فارغ ہو کر سوات کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے دیر والوں کی بھی خبر لینی چاہی۔ کوہستان میں لوٹ مار مچانے کے بعد وہ سوات جانا چاہتا تھا لیکن اسے پتہ چلا کہ یوسفزئیوں اور مندڑوں نے ناکہ بندی کی ہے۔

لہٰذا وہ عید کے دن چپکے سے دیر زیریں کی طرف روانہ ہوا واپسی پر اکبری فوج نے کسانوں کے کھیتوں کھلیانوں کو آگ بھی لگائی۔

زین خان کاٹ گلہ کے راستے سوات کی حدود میں داخل ہوا چکدرہ کے مقام پر زین خان نے ڈیرے جمائے۔ چکدرہ کی اہمیت کے پیش نظر اس نے قلعہ تعمیر کروانے کے احکام صادر کیے۔ وہاں ان سے بیربر اور فتح اللہ شیرازی کی فوجیں بھی آ ملیں۔ یہاں آپس میں صلاح مشورے ہونے لگے لیکن بیربر کسی طرح زین خان کی بات سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بالآخر بیربر نے اپنی فوجوں کو درہ کڑاکڑ کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم دیا۔ وہاں پر یوسفزئیوں اور مندڑ سورماؤں نے مغلوں کو وہ سبق دیا جو انہیں ہمیشہ کے لیے یاد رہا۔

اخون درویزہ کی چشم دید گواہی کے مطابق، کڑاکڑ کے سارے درے لاشوں سے بھرے پڑے تھے اور ہر سو بدبو پھیلی ہوئی تھی۔

عہد اکبری کے ساتھ علاقہ دیر مغلوں کے اثر سے ہمیشہ کے لیے آزاد ہو گیا۔ دیر میں یوسفزئیوں کی ریاست قائم ہو گئی جو پاکستان بننے تک قائم رہی۔ بالآخر اس کا الحاق پاکستان سے کر دیا گیا اور دیر سے نوابی کا دور استبداد رخصت ہوا۔

شاہجہان بادشاہ کے وقت میں دیر کی ایک مذہبی شخصی ہندوستان میں طریقت و عرفان سے فارغ ہوکر نمودار ہوئی۔ان کا نام "الیاس" تھا اپنی زہد وارتقاء کے سبب وہ اخوند الیاس کے نام سے مشہور ہوا اور دیر کے لوگوں کا وہ مذہبی سربراہ بن گیا۔

اسی اخوند الیاس کے پوتے نے ریاست قائم کرنے کا خواب دیکھا چنانچہ غلام خان نے نوابی و سرداری کی بنیاد رکھ دی یوں ایک مذہبی گھرانہ، نوابی دبدبہ کے ساتھ ظہور پذیر ہوا پھر یہ نوابی (ریاست) پھیل کر باجوڑ اور سوات تک پہنچی۔نوابان دیر کی تاریخ پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔

بہر حال دیر کی طرح سوات میں بھی ریاست کی بنیاد اخوزادوں نے رکھی تاہم یہ دونوں ریاستیں قیام پاکستان کے بعد دیر تک قائم نہ رہ سکیں اور الحاق کر گئیں۔

اخوند درویزہ کے مطابق اکبری فوجوں نے بونیر، سوات کے سرکردہ لوگوں کو پہلے دوآبہ (چارسدہ) جلاوطن کیا۔بعدازاں انہیں پشاور کے مضافات میں آباد کیا۔جلاوطنی کا یہ دور بارہ سال تک رہا۔یوسف زئیوں کی غیر موجودگی میں ضلع بونیر پر گوجروں نے قبضہ جمالیا۔سوات پر سواتی اور دلآزاک چڑھ دوڑے۔چونکہ اکبری فوجوں کو دلآزاکوں کی حمایت حاصل تھی (جو کہ یوسف زئیوں کے قدیمی دشمن تھے)

لہٰذا اکبری خوانین نے دلآزاکوں کو مملکت یوسفزئی کے بہت سے حصے بطور جاگیر دے دیے۔جن میں شانگلہ کا علاقہ (جواب ایک ضلع ہے) شامل تھا۔مگر اکبری گرفت ڈھیلی ہونے پر یوسف زئی لوگ ایک ایک کر کے پشاور سے پھر اپنے علاقوں میں واپس آگئے اور بہت سی جنگوں کے بعد کچھ علاقے واگزار کروانے میں کامیاب ہوئے۔

☆......☆......☆

باب:۱۰

ملی زئی کون ہیں؟

پشتون شجرہ نویسوں کے مطابق ملی زئی یوسف کے ایک بیٹے کی اولاد ہیں اور اس طرح ساری ملیزئی قوم یوسفزئی ہیں لیکن پشتون شجرہ نویسوں کے شجرہ ہائے نسب نہ خود انہوں نے لکھے ہیں اور نہ ان کا کوئی جواز وثبوت تاریخی لحاظ سے ثابت ہے۔سوائے نعمت اللہ ہروی کی کتاب کے جو بجائے خود کمزور اور فرضی داستانوں کا پلندہ ہے۔اگر خود لفظ یوسفزئی مشکوک ہے یا بقول بعض مورخین "اسپاسزی" ہے تو "ملی زئی" کی ترکیب بدرجہ اولیٰ مشکوک ومجہول الاصل ثابت ہوتی ہے۔اب یہاں قدرتی طور پر سوال اٹھتا ہے کہ آخر ملیزئی کون ہیں؟

ابن حنیف نے "سات دریاؤں کی سرزمین" نامی کتاب میں ملی قبائل کی تاریخ واصلیت سے بحث کی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ

پنجاب کا نام قبل از مسیح ملوٹہ تھا جس کے متعدد شواہد بابل کے کھنڈرات سے برآمد شدہ تختیوں میں ملتے ہیں۔

وہ مزید لکھتے ہیں

ملویہ یا ملوٹہ، ملی قبائل کی وجہ سے مشہور تھا بعد میں یہ نام ملتان ہوگیا۔ملی قبائل کی وجہ سے پاک وہند کے متعدد مقامات مشہور ہیں مثلاً مالوہ، مالابار، ملیبار وغیرہ۔ملی قبائل کے معنی پہاڑی لوگوں کے ہیں۔شروع شروع میں یہ لوگ افغانستان کے پہاڑوں سے آئے تھے۔اسی وجہ سے ملی مشہور ہوئے۔وہ بدخشاں کے ایک پہاڑ ملان کا بھی ذکر کرتے ہیں اور قیاس کرتے ہیں کہ شاید یہ نام ملان کی وجہ سے پڑا ہوگا۔

اگر واقعی ملی قبائل قبل از مسیح میں موجود تھے تو یونانیوں نے ان کا ذکر بھی کیا ہوگا؟ جی ہاں! یونانیوں نے ان قبائل کا بھی ذکر ملیعو "ملی تو" کے نام سے کیا ہے۔

کیا دیر کے ملیزئی لوگ "ملی قبائل" سے کوئی تعلق رکھتے ہیں؟ ہمارے پاس سوائے اس کے اور کوئی ثبوت نہیں ہے کہ چند مقامات کے نام "ملی" سے ملتے جلتے ہیں یا ان کے شروع میں کم از کم میم، لام آتے ہیں مثلاً ملہ کنڈ، ملکا، ملاسر، مالم جبہ، (ملم جبہ) وغیرہ۔

ملیزئی لوگوں کے علاوہ ضلع دیر میں ترکلانی، صافی اور شیعواری بھی آباد ہیں۔ ملہ کے معنی پہاڑ کے ہیں۔

ملی نام پشتونوں میں بہت مقبول نام تھا۔ شیخ ملی کے نام سے کئی بزرگ پشتون تاریخ میں نظر آتے ہیں مگر شہرت اس شیخ ملی کے نصیب میں تھی جنہوں نے مملکت یوسف زئی کی اراضی کی تقسیم کی۔ اسی شیخ ملی سے منسوب ایک کتاب کا ذکر بھی ہمیں تاریخ میں ملتا ہے۔ کتاب کا نام "دفتر شیخ ملی" ہے۔ مگر اب تک یہ کتاب نہ مل سکی۔

اگرچہ ملی، مل وغیرہ پرانا نام ہے مگر دیر کے ملی زئی یوسف زئیوں کی مسلمہ شاخ ہے اور ان کا تعلق پرانے لفظ "ملہ" یا "ملیعو" سے نہیں بنتا۔ کیونکہ یہ بہت بعد کی باتیں ہیں۔

ناموں کی یکسانیت یا متجانس ہونا اتفاقات میں سے ہے۔ شجرہ ہائے نسب میں جس یوسف کا ذکر ہے۔ ان کا عہد تیرہویں صدی عیسوی سے آگے نہیں بڑھتا۔ لہٰذا پشتونوں کی مستند تاریخ عہد بابری سے کچھ عرصہ پہلے شروع ہوتی ہے۔

اگرچہ لفظ افغان پہلے سے موجود تھا مگر افغان سے مراد کیا تھا؟ یہ الگ بحث ہے۔

☆......☆......☆

باب:۱۱

ریاست دیر، نوابی دور

۱۔ اخون الیاس

نوابین دیر کا جوامجد اخون الیاس تھا جو پائندن خان کی چوتھی پشت میں تھا۔ تحصیل علم کے بعد وہ دیر آیا تو اس کے زہد واتقا کا شہرہ ہوا۔ لوگوں نے اسے اخون کا لقب دیا۔ ان کی وفات ۱۶۴۰ء میں ہوئی تھی۔ اخوند یا اخون کے معنی پڑھے ہوئے کے ہیں۔

۲۔ ملا اسماعیل

یہ اپنے والد کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ اولف کیرو نے خوشحال خان خٹک کے ساتھ ان کی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ بیوڑ گاؤں میں دفن ہیں۔ خوش حال خان خٹک سے ان کی ملاقات ۱۶۶۹ء میں ہوئی ہوگی۔

۳۔ غلام خان

والد کی وفات کے بعد غلام خان نے خرقہ زہد کے ساتھ لبادہ دنیوی بھی زیب تن کیا۔ اس نے اپنے اثر ورسوخ کو خوب پھیلایا اور ایک قسم کا سردار بن گیا۔ گویا دین داری، ریاست کی طرف گامزن ہوئی۔

۴۔ خان ظفر خان

ظفر خان نے مکمل طور پر دنیاوی امور پر توجہ دی۔ اس کے چار بیٹے تھے: ۱۔ قاسم خان، ۲۔ نسیم خان، ۳۔ ظاہر خان، ۴۔ باکو خان۔

۵۔ قاسم خان

قاسم خان ایک باتدبیر حکمران ثابت ہوا۔ اس نے چترال کے بعض علاقے ہتھیا لیے۔ مغرب میں دیر کی سرحد کو اسمار تک وسیع کیا اور جنوب میں سخاکوٹ تک پاؤں پھیلا دیے۔ مہتر چترال شاہ کٹور سے اس کی جنگ ہوئی تھی۔ صلح ہونے کے بعد شاہ کٹور نے اس سے اپنی بہن بیاہ دی۔ وہ اپنے بیٹے آزاد خان کے ہاتھوں قتل ہوا لیکن سرداری غزن خان کے ہاتھ لگی۔

۶۔ غزن خان

غزن خان ایک اچھا سپہ سالار ثابت ہوا۔ غزائے امبیلا میں غزن خان نے چھ ہزار مجاہدین کے ساتھ شرکت کی تھی۔ اس نے ۶۸ سال کی عمر میں ۱۸۸۵ء میں انتقال کیا۔ وہ اخوند آف سوات کا معتقد اور طرفدار تھا۔ واضح رہے کہ سوات اور دیر کی سرحدیں آپس میں ملی ہوئی ہیں۔

۷۔ رحمت خان

غزن خان نے اپنے حین حیات میں رحمت خان کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ کچھ عرصہ امور امارت چلا کر وہ اپنے بیٹے محمد شریف کے حق میں دست کش ہوا۔

۸۔ محمد شریف

محمد شریف کے بھائیوں نے متعدد بار اسے قتل کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ جمروز خان نے اسے بندوق کا نشانہ بنانا چاہا مگر قسمت محمد شریف پر مہربان تھی۔ نشانہ چوک گیا۔ محمد شریف نے جمروز خان کو اس کے بیٹے سمیت قتل کیا۔ بھائیوں کا خرخشہ مٹانے کے بعد، بدقسمتی سے اس کے بیٹوں کے درمیان رسہ کشی شروع ہوگئی۔

اسی نواب کے عہد میں انگریزوں نے جندول اور چترال پر قبضہ کیا۔ نواب نے ان کا ساتھ دیا جس پر انگریزوں نے قلعہ چکدرہ میں اس کی دستار بندی کی اور اسے "نواب آف دیر" کا خطاب دیا۔ نوابین دیر میں نواب محمد شریف نے سب سے زیادہ مشکلات دیکھی تھیں۔ وہ اپنی ریاست کو بچانے کی خاطر، کبھی والی سوات کے پاس پہنچتا اور کبھی انگریزوں کی خوشنودی کو وسیلہ کامرانی

سمجھتا۔ بالآخر وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوگیا۔ ریاست دیر کو آئینی حیثیت مل گئی اور اس کے دشمن نیست ونابود ہوگئے۔

افغان نپولین، عمرا خان

۱۸۷۹ء میں عباس خان جندول کی وفات کے بعد عمرا خان نے اپنا اقتدار قائم کیا۔ عمران خان کے دادا فیض طلب خان نے باجوڑی لشکر کے ساتھ معرکہ امبیلا میں شرکت کی تھی۔ اسی جہاد میں دیریوں کی نمائندگی کا حق غزن خان نے ادا کیا تھا۔

عمرا خان بڑا بیدار مغز اور ہوشیار خان تھا۔ اس نے والی سوات کو اپنے ساتھ ملا کر، دیر کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد اس نے کلکتہ کی ایک سکاچ کمپنی سے اسلحہ کی خرید وفروخت کے مذاکرات شروع کیے۔

لیکن مسٹر ڈین کمشنر پشاور نے اس مسودے کو رکوادیا۔ حکومت افغانستان کو عمرا خان سے خطرہ محسوس ہوا تو مکرانی ملا کو بھیج کر عمرا خان کے خلاف پروپیگنڈہ کرایا دیا لیکن اس کے باوجود عمرا خان کا اقتدار ۱۸۹۰ء میں اپنے عروج پر پہنچ گیا اور دیر میں شریف خان اپنی تمام حیثیت کھو کر والی سوات کے ہاں پناہ گزین کے دن گزار رہا تھا۔

ریاست دیر کے بعد عمرا خان نے ریاست چترال کو اپنا ہدف بنالیا۔ وہ لاؤ لشکر سمیت قلعہ دروش تک پہنچ گیا۔ چترالیوں نے سخت مقابلہ کیا مگر شکست کھا کر واپس ہوئے۔

اسی اثناء میں مہتر چترال کے چچا شیر افضل نے عمرا خان سے ساز باز کر کے مہتری پر قبضہ کیا۔ اقتدار پر قابض ہونے کے بعد اس نے عمرا خان کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا۔

انگریز حکومت ان تمام واقعات کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ شیر افضل اور عمرا خان کی دوستی کو شک کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں نے شیر افضل کی مہتری کی درخواست ٹھکرا دی جس پر شیر افضل نے برافروختہ ہو کر انگریزی فوج پر دھاوا بول دیا۔ دو انگریز افسر قیدی بن گئے جو عبدالمجید (برادر عمرا خان) کی نگرانی میں دروش پہنچا دیے گئے۔ عمرا خان انہی دنوں دروش میں مقیم تھا۔ وہ انگریز افسروں کو لے کر جندول روانہ ہوا۔

۱۹ مارچ ۱۸۹۵ء کو پشاور میں انگریزی فوج کا اجتماع ہوا جس میں عمرا خان کو سبق سکھانے کا فیصلہ ہوا۔ یکم اپریل ۱۸۹۵ء کو انگریزی فوج نے بطرف مالاکنڈ اقدام کیا جس کی کمان رابرٹ لوکر رہے تھے۔

۳ اپریل کو پشتون مجاہدین نے مالاکنڈ کے دروں کی ناکہ بندی کی۔ ایک طرف ہزاروں کی تعداد میں منظم فوج تھی اور دوسری طرف مٹھی بھر سرفروش تھے......جن کی بہادری کی داستانیں انگریزوں کی کتابوں تک میں ہیں۔

ینگ ہسبنڈ نے ایک پشتون ڈھول نواز کی بہادری کی تعریف دل کھول کر کی ہے وہ اپنی شہادت تک لشکریوں کے آگے آگے ڈھول بجا رہا تھا یہاں تک کہ توپ کے گولے سے اس کے پرخچے اڑ گئے۔

۵ اپریل کو مجاہدین کی صفوں میں کمزوری کے آثار نمایاں ہو گئے۔ عمرا خان کا بھائی تازہ دم لشکر لے کر آ پہنچا لیکن انگریزوں کی جنگی مہارت کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ ۱۰ اپریل کو دریائے سوات کے کنارے گھمسان کا رن پڑا جس میں انگریز کمانڈر زخمی ہو گیا تھا لیکن پھر بھی میدان انگریزوں کے ہاتھ رہا۔

اسی فوج کے ساتھ چرچل بطور رپورٹر شامل تھا۔ وہ نیول چیمبرلین کا پوتا تھا۔ جو غزائے امبیلا میں پشتونوں کے ہاتھوں زخمی ہوا تھا۔ چکدرہ کا مشہور مورچہ جو تاریخی مقام دھم کوٹ پر واقع ہے۔ چرچل کے نام سے منسوب ہے۔

یہی چرچل بعد میں برطانیہ کا وزیر اعظم بنا۔ جنگ عظیم دوم کے دوران اس نے اپنی فوج کو بڑی تباہی سے بچا لیا تھا۔ انگریزوں نے تالاش سے آگے دریائے پنجکوڑا پر پل باندھ کر عبور کیا۔ خان دیر بھی تھوڑا لشکر لے کر دیر کی طرف روانہ ہوا تا کہ وہاں سے خط رسد کو کاٹا جا سکے۔

جندول پہنچنے پر انگریزوں نے عمرا خان سے صلح کی بات چیت شروع کی مگر عمرا خان کی فوجی کونسل نے شرط پیش کی کہ پہلے آپ اپنی فوج کو ہٹائیں بعد میں بات چیت کریں گے۔

اسی اثناء میں انگریز فوج کا توپ خانہ بھی پہنچ گیا اور قلعے منڈا پر گولہ باری شروع ہوئی۔ عمرا خان نے شکست کے آثار دیکھے تو راتوں رات اپنا خزانہ لے کر افغانستان کی طرف فرار ہو گیا۔ اس

کی فوج بھی تہس نہس ہو گئی۔ صبح سویرے انگریز قلعے میں داخل ہوئے تو ہر طرف چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ عمرا خان کی شکست کے بعد پشتونوں کی تحریک آزادی کا آخری چراغ بھی گل ہو گیا۔

نتائج

۱۔ نواب دیر کو اس کی سابقہ حیثیت دوبارہ مل گئی۔
۲۔ نواب دیر کو چترال تک سڑک کی حفاظت کے عوض الاؤنس ملنے لگا۔
۳۔ دیر، جندول اور چترال مکمل طور پر انگریزوں کے زیر اثر آ گئے۔

انگریز بہت ہوشیار لوگ تھے۔ انہوں نے زار روس کی توسیع پسندی سے بچنے کے لیے ہندوستان کی مغربی سرحد پر قبائلی علاقے بنائے اور شمالی پہاڑوں میں چھوٹی چھوٹی باج گزار ریاستیں بنا دیں۔

دیر، سوات، چترال وغیرہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ جن کے والی یا نواب انگریزوں کے کاسہ لیس تھے۔ ان میں سے سوات کے والی ہوشیار اور رعایا پرور تھے۔

یہی وجہ تھی کہ ریاست سوات نسبتاً خوش حال علاقہ تھا۔ انگریزوں سے میل ملاپ کے سبب ان ریاستوں میں آہستہ آہستہ تعلیم کی طرف رجحان پیدا ہوا۔ کچھ لوگ انگریزی فوج میں بھرتی ہوئے اور کچھ ہندوستان میں تلاش معاش کے لیے گئے۔

ریاست دیر میں علم و تصوف کی جو شمع روشن ہوئی تھی۔ وہ ہندوستانی طالب علموں کے سبب تھی۔ دیر کے کچھ طالب علم ہندوستان سے دینی تعلیم حاصل کر کے یہاں پہنچے تھے۔ دیر زیرین (لوئر دیر) میں خانقاہ نسیمیہ بھی مرزا مظہر جان جاناں کے ایک شاگرد نے قائم کی تھی جو اب تک موجود ہے۔

☆......☆......☆

باب:۱۳

دیر کے علماء ومشائخ

دیر کے لوگ مثالی پشتون ہیں۔ میجر راورٹی اور غنی خان دونوں نے لکھا ہے کہ آپ کو اگر روایتی اور اصلی پشتون دیکھنا ہے تو دیر کے کسی درے میں چلے جائیں۔

پشتونوں کے متعلق یہ بات مشہور بھی ہے اور سچ بھی کہ پشتون زمانہ قدیم سے مذہب کے سلسلے میں حساس، جذباتی اور کٹر رہے ہیں۔ پشتونوں نے جس بھی مذہب کو اختیار کیا ہے پھر اس پر بڑی پامردی سے قائم رہے ہیں۔ چاہے پارسی مذہب ہو یا بدھ مت...... اسلام لانے کے بعد پشتون کٹر مسلمان بن گئے اور آج پشتون اسلام سے گہرا لگاؤ رکھتے ہیں۔

۱۔ اخون الیاس

نوابین دیر کا مورث اعلیٰ شیخ الیاس تھے۔ وہ حصول علم کے بعد دیر آ گئے تھے۔ ان کی قبر لاجبوک میں ہے۔ عوام نے انہیں ''اخون'' کا پرفخر لقب دیا تھا۔

۲۔ ملا اسماعیل

اخون الیاس کے بیٹے اسماعیل تھے جو ملا اسماعیل کے نام سے مشہور تھے۔ اولف کیرو نے خوشحال خان خٹک کے ساتھ ان کی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ملاقات خوشحال خان کے سفر سوات کے دوران ہوئی ہو۔ ملا اسماعیل کا مزار بیبیوڑ (تحصیل دیر) میں ہے۔

۳۔ تحریک جہاد

سید احمد شہیدؒ بریلوی جس زمانے میں خار (مالاکنڈ ایجنسی) میں تھے۔ ان دنوں انہوں نے دیر زیریں کا دورہ کیا تھا۔ وہ چند دن تک دیر زیریں میں رہے لیکن ادینزی تحصیل سے آگے نہ بڑھے شاید انہیں یہاں سے زیادہ کمک ملنے کی توقع نہ تھی۔

۴۔ شاؤ بابا (دیر بابا)

شاؤ بابا اخون سوات کے ماذون تھے۔ اپنے زہد واتقا کے لیے مشہور تھے۔ ۱۸۹۴ء میں انہوں نے وفات پائی۔ دیر خاص میں مدفون ہیں۔ ان کی اولاد کافی اثر ورسوخ اور ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔

۵۔ پالم ملا

جس زمانے میں انگریز فوجیں چترال کی طرف جارہی تھیں انہی ایام میں پالم ملا کافی اثر رکھتے تھے۔ انہوں نے زیر زمین پناہ لے رکھی تھی تا کہ انگریز کی ناپاک سانسیں ان تک نہ پہنچ پائیں۔

۶۔ مکرانی ملا

مکرانی ملا کو افغانستان کی حکومت کا تعاون حاصل تھا۔ اس نے عمرا خان کے خلاف محاذ قائم کیا تھا۔

۷۔ سرتور فقیر

اصل میں سعد اللہ خان عرف سرتور فقیر بونیر کا رہنے والا تھا۔ اس کا ایک بیٹا جوانی میں مر گیا تھا جس کے غم نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔

اسی سرتور فقیر نے ۱۸۹۷ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا جس کی وجہ سے انگریز فوجوں کو زبردست نقصان اٹھانا پڑا۔ سرتور فقیر کے ساتھ دیر کے لوگ شانہ بشانہ لڑے تھے۔ یہ تحریک ناکام ہوگئی تو سرتور فقیر سوات میں پناہ لینے پر مجبور ہوا، انگریزوں نے اسے (MAD FAKIR) کا نام دیا تھا۔ وہ عوام میں سرتور فقیر اور ملا مستان کے ناموں سے مشہور ہوگیا تھا۔

۸۔ سنڈاکے ملا

۱۹۱۶ء کے لگ بھگ ''سنڈاکے ملا'' بالائی سوات میں رونما ہوئے۔ اس نے قاسم خان او حبیب خان کو اپنے ساتھ ملا کر نواب دیر کے لیے مشکلات پیدا کیں۔

اسی ملا کی کوششوں سے نواب دیر کے کچھ علاقے چھن گئے تھے اور وہاں آزادی کا پھریرا لہر گیا۔ سنڈاکے ملا کا مزار نہاگ درہ میں ہے۔ اسی سنڈاکے ملا نے والی سوات سید عبدالجبار شاہ کے خلاف مذہبی بنیادوں پر تحریک چلا کر انہیں سوات سے بے دخل کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

باب:۱۳

ثقافت

چونکہ ثقافت کے بغیر کسی قوم یا خطے کی پہچان مکمل نہیں کہلائی جا سکتی۔ اس لئے اس باب کے لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔

کلچر یا ثقافت کی مختلف تعریفیں ہوئی ہیں۔ بڑے بڑے مفکرین اور زعماء نے بقدر ہمت زور مارا ہے جن کا خلاصہ ہم یوں بیان کر سکتے ہیں۔

تمام انسانی تجربات و روایات خواہ وہ زبانی ہوں یا تحریری کلچر کہلاتی ہیں۔ کرہ ارض پر مختلف اقوام، مختلف خطہ ہائے آب وگل پر زندگی گزار رہی ہیں۔ اسی اختلاف آب وہوا کی وجہ سے ان کی زبانوں اور رسوم و عادات میں ایک تنوع اور بوقلمونی ہے۔

قرآن مجید نے بھی رنگوں اور زبانوں کے اختلاف کو قدرت کی نشانیاں بتایا ہے۔ جن میں عقل والوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی ہے۔

یہ امر مسلم ہے کہ آب وہوا اور موسموں کے ہیر پھیر کی وجہ سے انسانی زندگی پر اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ یہ اثرات آہستہ آہستہ لوگوں کی زندگی کا جز بن جاتے ہیں پھر قوموں کی نفرت و محبت کے جذبات انفرادی زندگی میں سرایت کر جاتے ہیں۔

اسی طرح مختلف خطوں کے لوگ، مختلف عادات و رسوم کو پروان چڑھاتے ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ وہ اچھی عادات و رسوم ہیں یا بری؟ بہر حال وہ قومی زندگی کی پہچان بن جاتی ہیں۔

پشتون قوم سینکڑوں سال سے پشتونخوا میں بس رہی ہے۔ اس قوم نے اپنی طویل زندگی میں، بلا مبالغہ سینکڑوں انقلاب دیکھے ہوں گے۔ کئی مذاہب پیدا ہوئے، پشتونخوا میں مقبول ہوئے اور فنا کی گھاٹ اتر گئے لیکن پشتون زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔

پشتون چونکہ طبعاً بعض امور میں مذہب پسند واقع ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کبھی ارباب انواع کا پجاری رہا ہے اور کبھی زرتشت کا پیروکار، بدھ مت جنوب مشرقی ایشیا میں پھیلا تو پشتون نے بڑے چاؤ سے اسے سینے سے لگایا۔ اسلام آیا تو پشتون قوم نے اس امن و سلامتی کے دین کو خوش آمدید کہا اور اس دن سے آج تک پشتونوں کی غالب اکثریت دین اسلام کی پیروکار ہے یہاں تک کہ بہت سے مفکرین کو یہ کہنا پڑا کہ "پشتون غیر مسلم نہیں ہو سکتا۔"

قوموں کی زندگی کے لیے ثقافت لازمی ہوتی ہے۔ پشتونوں کی ایک مخصوص ثقافت ہے جو ان کی جائے رہائش محل وقوع اور آب وہوا کی دین ہے۔ پشتون قوم کو اپنی تہذیب پر بڑا ناز ہے۔ اپنے رسوم و عادت کو وہ ہمیشہ عزیز رکھتا ہے اور ان پر کبھی آنچ نہیں آنے دیتا۔

یہی فخر و مباہات ہے جس کی وجہ سے علامہ اقبال جیسے مفکر کی توجہ اس کوہی قوم پر مبذول ہوئی تھی۔ واضح رہے کہ علامہ اقبال جہاں بھی افغان یا پشتون کا ذکر کرتے ہیں وہاں ضرور فخر و مباہات کا موقع ہوتا ہے۔

یہ انداز نظر علامہ کی تحریروں میں اول روز سے نمایاں تھے۔ رہی یہ بات کہ فخر و مباہات بجائے خود سلبی قدر ہے یا ایجابی؟ یہ بحث ہمارے دائرہ کار سے خارج ہے لہٰذا پھر پشتون ثقافت کی طرف آتے ہیں۔

پشتون ثقافت کے نمایاں پہلو، قدیم پشتو شاعری سے لے کر مستشرقین تک کی کتابوں میں موجود ہیں اور یہ اتنے عام ہیں کہ زبان و ادب کے قارئین اس سے خوب واقف ہیں تاہم پشتون کلچر کے چند اہم ستون کا تذکرہ بے سود نہیں رہے گا۔

پشتون تہذیب کے اجزائے ترکیبی

۱۔ مہمان نوازی، ۲۔ پناہ دہی، ۳۔ انتقام، ۴۔ حمیت، ۵۔ ننواتے (جرگہ)، ۶۔ مذ[illegible]ب سے لگاؤ۔

[illegible]بت مجموعی مذکورہ نکات پشتون قوم کی تہذیب کا تانا بانا (Make.up) ہیں لیکن پشتون قوم [illegible] وعریض خطے پر آباد ہے جس کی وجہ سے ان کے ہاں تہذیبی جزئیات میں، مرور زمانہ کے

ساتھ اختلاف بھی پیدا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پشتون قوم کے تہذیبی دریا میں بے شمار ندی نالے سمٹے ہوئے ہیں۔ یہی ندی نالے اپنے منابع اور خطوں میں پرشور اور سرکشانہ انداز لیے ہوئے ہیں لیکن ان کی یہ انفرادیت قابل دید ہے۔

ضلع دیر کی تہذیب وثقافت پشتون کلچر کا پرفخر سرمایہ ہے۔ اسی ضلع دیر کے پشتونوں کے متعلق میجر راورٹی نے کہا تھا کہ اگر پشتون ثقافت کی ایک جھلک تمہیں دیکھنی ہے تو دیر کے کسی درے کے لوگوں کا مشاہدہ کرو، فلسفی شاعر غنی خان نے اپنی مشہور کتاب ''پٹھان'' میں جس مثالی پشتون کا ذکر بڑے طمطراق سے کیا ہے۔ وہ مثالی پشتون دیر کا پشتون ہے، جس کے لمبے لمبے بال گردن تک آئے ہوئے ہیں۔ اس کے دانتوں پر دنداسہ (اخروٹ کا پوست) ملا ہوا ہے۔ بندوق کاندھے پر، پکول زیب سر، نگاہیں عقابی، غیرت وحمیت پر مرمٹنے والا، جی ہاں! یہ دیر کا پشتون ہے۔

دیر کے پشتون سنگلاخ چٹانوں اور فلک بوس پہاڑوں کے مسکنوں میں رہتے ہیں۔ مواصلات کی سہولیات سے قبل، یہ خطہ اپنے عجیب وغریب محل وقوع کے باعث باقی اقوام سے کٹا ہوا تھا۔ ضروریات زیست ان کے کوہی دروں میں مہیا تھیں۔ انہیں کہیں باہر جانے کی ضرورت نہ تھی۔ البتہ قومی ناموس کا مسئلہ ہو تو یہ سربکف میدان کارزار میں بار ہا کود رہے۔ معرکہ امبیلہ اور غزائے ملاکنڈ سے لے کر یہ ریت وروایت جنگ کشمیر تک قائم رہی...... اب بھی اس کے لہو کی ضرورت پڑے تو اپنی جان سے گزرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔

سلسلہ کوہ ہندوراج کے پیچیدہ دروں اور راحت فزا ہواؤں نے ان کی عادات وخصائل کو عجیب رنگ دیا ہے۔ ان کی زبان میں ندیوں کا شور اور پرندوں کی چہچہاہٹ کا سرور ہے۔ یخ بستہ فضاؤں میں سانس لینے والا یہ الھڑ پشتون بھک سے اڑنے والے مادے کی طرح ہے۔ انتقام وحمیت کا موقع ہو تو یہ چٹان کی طرح ڈٹ جاتا ہے۔

ایسے مواقع پر جس چیز کی قربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ پشتون نے کبھی اس سے منہ نہیں موڑا۔ وہ بہانگ دہل کہتا ہے:

میرا سر نہیں رہے گا مجھے اس کا ڈر نہیں

زبان

کلچر میں زبان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، دیر کی گھاٹیوں اور ندی نالوں کے کنارے آباد پشتون جو زبان بولتے ہیں، اس میں ماہرین السنہ وادب کے لیے بڑی کشش کا سامان موجود ہے، یہ زبان بڑی شستہ اور فطری ہے اس میں پہاڑوں کی سی صلابت اور جھرنوں جیسی تیزی وطراری ہے۔ عام پشتون زبان سے دیرہ پشتو دو حیثیتوں میں ممتاز ہے۔

۱۔ لہجہ ۲۔ ذخیرہ الفاظ

لہجہ

دیر کے دروں میں جو پشتون بولی جاتی ہے وہ مردان اور پشاور کی پشتو سے ذرا مختلف ہے، یہاں تک دیر زیریں اور دیر بالا کی بولیوں میں بھی فرق ہے، دیر بالا کے پہاڑی دروں میں ''واؤ'' کی جگہ اکثر ''الف'' بولا جاتا ہے۔ بالخصوص واحد متکلم افعال ہیں مثلاً مردان اور سوات کا پشتون کہتا ہے ''زہ کوم'' (میں کرتا ہوں)۔ دیر بالا کا پشتون کہے گا۔ ''زہ کام'' (میں کرتا ہوں)۔ اسی طرح میں بیچتا ہوں کی پشتو ''زہ خرسام'' ہے۔

حالانکہ سمہ (میدانی) علاقوں میں ''زہ خرسوم'' ہے حالانکہ کچھ اضافے بھی ہیں مثلاً ماننا کی عام پشتو ''منل'' ہے جبکہ دیری پشتو میں یہی مصدر ''منودل'' ہے، میدانی علاقوں میں اس قسم کی پشتو مروج نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دیری پشتو پر گاوری اور گجری زبانوں کے اثرات کی وجہ سے ایسا ہوا ہو۔

ذخیرہ الفاظ

دیری پشتو کا ممتاز پہلو اس کا ذخیرہ الفاظ ہے، یہاں کی پر پیچ گھاٹیوں میں جو زبان بولی جاتی ہے۔ اس کے بہت سے الفاظ عام پشتونوں کے لیے نامانوس ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو دیری پشتونوں کا مخصوص ماحول ہے جو میدانی علاقوں میں نہیں ہے مثلاً کوہستانی علاقوں میں سردی کی شدت سے بچنے کے لیے جانوروں کی کھالیں پیروں پر لپیٹی جاتی ہیں۔

اس پوشاک کو ''اتارہ'' کہتے ہیں۔ ظاہر ہے میدانی علاقوں میں نہ موسم اتنا شدید ہوتا ہے اور نہ ''اتاروں'' کی ضرورت ہوتی ہے۔

ان الفاظ کا ماخذ دراصل داردی زبانوں کا اثر دیر کی پشتو میں جھلکتا ہے۔

ایک اور مثال ''انچوڑ'' کی ہے، دیر کے برفانی علاقوں میں کوٹھوں پر سے برف ہٹانے کے لیے لکڑی کا جو آلہ استعمال ہوتا ہے اسے ''انچوڑ'' کہتے ہیں۔ اس موضوع پر بحث میرے دائرہ کار سے خارج ہے کہ یہ کس زبان کے الفاظ ہیں؟ کب اور کیسے پشتو میں در آئے ہیں؟ البتہ اب یہ سب مانتے ہیں کہ پشتو کے جزو بدن ہیں۔

گلیشیر (Glacier) کے لیے دیر بالا میں ''ہمال'' کا لفظ عام طور پر بولا جاتا ہے، اب اس لفظ کا رشتہ سنسکرت ''ہم'' (برف) سے بھی جوڑا جاسکتا ہے۔

لیکن ''ہمال'' دیری پشتو کا لفظ ہے اور یہاں کے لوگ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ یہ لفظ ان کی زبان کا نہیں ہے۔

اسی طرح اور بھی بہت سے الفاظ ہیں۔ جن کی تفصیل کے لیے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔

معاشرتی تقسیم

مردان، صوابی اور دیگر میدانی علاقوں میں کیوں (کسب گروں) کو جس حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔ دیر میں اس کا تصور تک نہیں۔ یہاں ٹھیٹ خاندانی نظام کی بندھن سے میں ہر شخص بندھا ہوا ہے۔ خاندان کے بعد خیل (class) کا نمبر آتا ہے۔

اپنے اپنے خیل پر ہر کسی کو فخر ہوتا ہے۔ کوئی سلطان خیل ہونے پر فخر محسوس کرتا ہے تو کسی کو اپنا پائندہ خیل ہونا پسند ہے۔ کوئی ترکلانی ہے تو کوئی افغانی...... کوئی روغانی تو کوئی گوجر۔

یاد رہے کہ سلطان خیل اور پائندہ خیل دیر بالا کے مستقل باشندے ہیں جبکہ افغانی خاندان بعد میں نقل مکانی کرکے آئے ہیں۔ افغانی سے مراد افغانستان کی دیگر نسلیں ہیں۔

اخلاق و عادات

دیر کے تقریباً سارے لوگ سنی العقیدہ مسلمان ہیں اور مذہب پر سختی سے کاربند و عمل پیرا ہیں۔ ہاں جہاں پشتون غیرت وحمیت کی بات ہو تو پھر مذہب کو بھی نظر انداز کیا جاتا ہے۔

پشتونوں کی عام روایات دیری لوگوں میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں مثلاً مہمان نوازی، پناہ دہی اور انتقام کے اصول یہاں زندگی کے رہنما اصول ہیں۔

پوشاک

مرد ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنتے ہیں جن کے اوپر اونی واسکٹ پہننا عام رواج میں شامل ہے۔

''پکول'' سردیوں میں ہر مرد کے سر پر نظر آئے گا جبکہ گرمی کے موسم میں سفید ٹوپی جسے ''خالی ٹوپی'' کہتے ہیں پہنی جاتی ہے۔ خالی ٹوپی دیر کی دستکاریوں میں خاصے کی چیز ہے۔

مرد حضرات کلاشنکوف سے آراستہ ہوتے ہیں جبکہ چند سال قبل تک سیون ایم ایم کا رواج تھا۔ پیروں میں جوتے یا ربڑ کے سستے بوٹ یہاں کا عام پہناوا ہے۔

یہاں کے مرد عموماً سیاہ رنگ یا ملیشیا کے کپڑے پہنتے ہیں جبکہ جوانوں میں شوخ رنگوں کا لباس بھی مقبول ہے۔

خوراک

کوہستانی دروں میں جوار کی روٹی اور سم چل (پیزک) کا ساگ بڑے شوق سے کھایا جاتا ہے، اس کے علاوہ صاحب استطاعت لوگ سردیوں میں دنبے اور بکرے ذبح کرکے، گوشت کے ساتھ سردیاں بھی کاٹتے ہیں۔

یہاں کے بعض مقامی پکوان مردان، پشاور اور صوابی کے لوگوں کے لیے بالکل نامانوس چیزیں ہیں مثلاً ''چوڑا'' جو لسی سے بنایا جاتا ہے۔ ''چاڑے'' جو آٹے اور گڑ کے ملاپ سے بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح اور بھی بہت سے پکوان ہیں۔

''اوگرہ'' میدانی علاقوں کے پشتون بھلا گئے ہیں جبکہ یہاں ''اوگرہ'' مقبول خوراک ہے۔

کھیل

مردانہ کھیل میں نشانہ بازی سب سے سرفہرست ہے چونکہ کلاشنکوفوں کی ہر جگہ بھرمار ہے۔اسی وجہ سے نشانہ بازی میں بھی کلاشنکوفیں استعمال ہوتی ہیں۔

کبڈی اور تاش بازی کے علاوہ جدید کھیل بھی مقبول ہیں۔ جدید کھیلوں میں فٹ بال اور باسکٹ بال دیر کے پسندیدہ کھیل ہیں۔۴۰،۵۰ سال پہلے یہاں ایک عجیب وغریب رسم تھی۔خوشی کے موقعوں پر عموماً گوپھن بازی ہوتی تھی۔ بالخصوص عید کے پرمسرت دن پر گوپھنوں سے سنگ باری ہوتی تھی جس سے طرفین کے لوگ زخمی وگھائل ہو جاتے تھے۔ یہی رسم صوابی کے پشتونوں میں بھی تھی جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ پشتونوں کی بہت پرانی رسم ہوگی جسے دیر اور صوابی کے لوگ محفوظ کر گئے تھے مگر اب یہ رسم معدوم ہوگئی ہے۔

زراعت

ضلع دیر کے لوگ دیگر پشتونوں کی طرح کھیتی باڑی کرتے تھے مگر زمینوں کی کمی کی وجہ سے زراعت ایک محنت طلب کام بن گیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی کھیتیاں ہیں۔جن میں کاشتکار ہاتھوں سے کام کرتے ہیں۔ دیر زیریں میں گندم اور جوار بڑی فصلیں ہیں جبکہ دیر بالا میں چاول اور جوار کی فصلیں بڑی مقدار میں ہوتی ہیں۔ پیاز بھی کافی مقدار میں پیدا ہوتا ہے۔

آبپاشی کے لیے یہاں کا مقامی نہری نظام صدیوں سے موجود ہے۔جس میں حکومتیں اب ترمیم ومرمت کرتی رہتی ہیں۔ تاہم دیر زیریں کے کچھ علاقوں میں ٹیوب ویل بھی ہیں اور کچھ علاقے بارشی پانی سے سیراب ہوتے ہیں جو ''للمہ'' کہلاتے ہیں۔

زبانیں

ضلع دیر کی سب سے بڑی زبان پشتو ہے، پشتو کے ساتھ ساتھ کوہستان میں گاؤری زبان بھی بولی جاتی ہے تاہم کوہستانی پشتو میں بھی بات چیت کر سکتے ہیں۔ گاؤری کو کوہستانی اور بشکاری بھی کہتے ہیں۔ گوجری بھی دیر کے اکثر علاقوں میں بولی جاتی ہے لیکن سرکاری سرپرستی نہ ہونے کی وجہ اس کا دائرہ کار گوجر قوم تک محدود ہے۔

آج سے تیس چالیس سال پہلے فارسی کو دیر میں زبان ثانی (Second Language) کی حیثیت حاصل تھی۔ سکول اور کالج تو تھے نہیں۔ مسجدوں میں فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ آج بھی دیر کی معمر نسل فارسی زبان بڑی روانی سے بول سکتی ہے۔

ان زبانوں کی ہمسائیگی وترویج کے اثرات ایک دوسرے سے ایسے پڑے ہیں کہ آج ان کی جداگانہ حیثیت کے تعین کے لیے باقاعدہ تحقیق کی ضرورت ہے۔

تہذیبوں اور زبانوں نے دیر کے لوگوں کو متاثر کیا ہے۔ان میں ایرانی تہذیب اور فارسی زبان کے اثرات شاید سب سے زیادہ ہیں۔دیر کے کچھ علاقوں میں کھوار بھی بولی جاتی ہے۔اس طرح کوہستانوں میں داردی بولنے والے بھی پائے جاتے ہیں۔یہاں کی پرانی زبان ''دیری'' بھی تھی جو اب معدوم ہو چکی ہے۔

خواتین

ضلع دیر کی خواتین چست وتنومند ہوتی ہیں جس کا راز ان کی محنت مشقت میں پوشیدہ ہے، خواتین عموماً کھیتوں میں کام کرتی ہیں۔گھاس کاٹتی ہیں، برف ہٹاتی ہیں۔علاوہ ازیں ٹوپیاں بنانا اور جوتوں پر طلاکاری ان کے محبوب مشاغل ہیں۔

ضلع دیر کی خواتین میں خواندگی کی شرح بہت کم ہے۔تاحال تمام ضلع میں کوئی زنانہ کالج نہیں ہے۔اس پر طرہ یہ کہ دیر کے اکثر عوام تعلیم نسواں کے مخالف ہیں۔البتہ دیر زیریں سے کچھ کچھ جہالت کی برف پگھلی ہے۔وہاں خواتین سکولوں اور کالجوں میں بڑے شوق سے جاتی ہیں۔

عام پشتون جس طرح عورتوں سے سلوک کرتے ہیں۔ دیر کے لوگ بھی اسی طرح عورتوں کا احترام کرتے ہیں۔البتہ پشتونوں میں جائیداد کی حصہ داری عورت کے لیے ممنوع ہے۔دیر میں بھی میدانی پشتونوں کی طرح ان رسم کہن کی پابندی بڑے فخر سے کی جاتی ہے۔

بازاروں میں عورتوں کا داخلہ ممنوع ہے، یہی وجہ ہے کہ ضلع دیر کے تمام بازار صنف نازک کو ترس رہے ہیں جو عورتیں کوچہ وبازار میں نظر آجاتی ہیں وہ یا تو معمر ہوتی ہیں اور یا کسی اشد ضرورت کی پیش نظر ہسپتال جانے کے لیے گھروں سے نکلتی ہیں۔

عورتوں میں زیورات پہننے کا بڑا رواج ہے، لباس کے معاملے میں بھی وہ روایت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔ اب حالات بدل گئے ہیں۔ سکولز اور کالجز کھل گیے ہیں۔ پرانی اقدار ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔

علماء و مشائخ

ضلع دیر کے لوگ کٹر مذہبی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں علماء و مشائخ کی بڑی قدر دانی ہے، جھاڑ پھونک اب بھی یہاں بہت مقبول ہیں۔ مولوی صاحب کا فرمایا ہوا ہر لحاظ سے مستند مانا جاتا ہے۔
صاحب آباد میں تبلیغی مرکز کے قیام کی وجہ سے ضلع دیر کے لوگ تبلیغ کی طرف زیادہ سے زیادہ راغب ہو رہے ہیں۔ دیر کے لوگ عموماً داڑھی رکھتے ہیں اور پنج گانہ نمازیں بڑی پابندی سے ادا کرتے ہیں۔

توہمات

تعلیم کی کمی کی وجہ سے توہم پرستی یہاں کے لوگوں کی زندگی کا حصہ ہے۔ یہاں کی مقامی داستانیں، پہاڑی ندیوں اور گھور گھنجان جنگلوں کے جنات سے پر ہیں۔ ہر ندی، ہر چوٹی کے ساتھ کوئی نہ کوئی داستان وابستہ ہے۔ بلند چوٹیوں پر آکسیجن کی کمی کو جنات کے اثر سے منسوب کیا جانا عام بات ہے۔
بڑی عمر کے لوگوں میں توہمات بہت زیادہ ہیں۔ خواتین تعلیم یافتہ ہوں تب بھی کسی نہ کسی طرح توہم پرست ہوتی ہیں پھر دیر کی ان پڑھ خواتین توہمات سے کس طرح دامن بچائیں؟ ان کے لیے توہمات اور جنوں پریوں کی کہانیوں پر یقین رکھنا ایک قدرتی امر ہے۔
یہاں اور بہت سے رسوم کے علاوہ ایک توہم پرستی یہ ہے کہ ایام زچگی میں زچہ جو خواب دیکھتی ہے وہ سچا ہوتا ہے۔ اس غرض کے پیش نظر زچہ کو انگشتریاں پہنائی جاتی ہیں تا کہ وہ انگشتری پہنانے والی عورت کے لیے خواب دیکھے۔ انگشتری نہ ہو تو انگلی پر تار باندھنے سے بھی مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔

گلہ بانی

ضلع دیر کے شمالی علاقوں میں زراعت کی زمینیں بہت کم ہیں۔ اس لئے یہاں بیل گایوں کی تعداد بھی کم ہے۔ دیر زیریں میں بیل ہل چلانے کے لیے پالے جاتے ہیں جبکہ دیر بالا میں بھیڑ بکریاں پالنے کا رواج ہے، کوہستانی علاقوں میں ریوڑ رکھے جاتے ہیں اور بھینسیں بھی پالی جاتی ہیں۔

زندہ دلی

ملی زئی قوم کے متعلق یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ یہ لوگ حد سے زیادہ زندہ دل اور باتونی ہیں۔ باتوں میں ضرب الامثال کا استعمال اور بدیہہ گوئی کوئی ان سے سیکھے۔ دروں کے رہنے والے بڑے بوڑھے نواب صاحب اور غازی عمرا خان کے قصے بڑے چاؤ سے بیان کرتے ہیں جنہیں نئی نسل کے لوگ بڑے انہماک اور دل سوزی سے سنتے ہیں۔

موسیقی

دیر کے لوگ آزاد فضاؤں کے آزاد پنچھی ہیں۔ ان کے کان بچپن سے آبشاروں کا ترنم اور رنگ برنگے پرندوں کے نغموں سے آشنا ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر جوانی میں موسیقی سے لگاؤ نہ رکھیں تو تعجب خیز بات ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ رباب بجانے والے دیر کے ہر حصے میں پائے جاتے ہیں۔ جدید رجحانات کی وجہ سے نوجوانوں میں ہارمونیم اور غزل کی گائیکی بہت مقبول ہو رہی ہے۔ تاہم پیشہ ور موسیقار اور گلوکار دیر میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔
اس کی ایک وجہ پشتونوں کا یہ عجیب رویہ ہے کہ انہیں موسیقی تو پسند ہے لیکن ڈوم ڈھاریوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور انہیں "جرگہ باہر" لوگ سمجھا جاتا ہے۔

شاعری

ضلع دیر کی قدیم شاعری کے نمونے بہت کم دستیاب ہیں۔ اس کی وجہ نوابی بے اعتنائی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ تعجب کی بات ہے کہ نوابان دیر کے ہاں پشتو زبان کی قدر دانی کسی قدر ضرور تھی لیکن شاعری کو نوابی سرپرستی حاصل نہ ہوئی۔

غزائے مالاکنڈ اور غازی عمرا خان کے عروج وزوال پر خوش خیال شعراء نے کیا کچھ نہ کہا ہوگا مگر افسوس کہ نئی نسل کے ہاتھوں میں چند اشعار کے سوا کچھ بھی نہیں۔ظاہر ہے کہ بہت کچھ ضائع ہو چکا ہے جس کی تلافی اب ناممکن ہے۔

البتہ دیر میں باقی پشتونخوا کی طرح نئی شاعری زور وشور سے شروع ہے۔مختلف علاقوں میں شعراء کی انجمنیں قائم ہیں جو باقاعدگی سے مشاعرے منعقد کراتی ہیں۔

تنازعات

دیگر پشتونوں کی طرح اس خطہ سرسبز کے باسی مناقشات اور الجھیڑوں میں بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ہر درہ، ہر بستی کے لوگ دشمنیوں کی دلدلوں میں تا بہ گردن ڈوبے ہوئے ہیں اور پھر یہ دشمنیاں پشت ہا پشت تک چلنے والی ہوتی ہیں۔

باعث نزاع زر، زمین اور زن ہوتی ہے۔جنگلات کے زر ملکیت (royality) نے بھی بستیوں کی وحدت کو پارہ پارہ کردیا ہے۔بعض قضیئے سالہا سال سے شروع ہیں۔جو بہت سے لوگوں کو کھا گئے ہیں مگر تا حال ان کا تصفیہ ممکن نہ ہو سکا۔

آبادیاں

تعمیرات کے لحاظ سے ہم دیر کو دو حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔دیر بالا اور دیر زیریں۔

۱۔ دیر بالا میں زمینیں بہت مہنگی ہیں۔قابل کاشت رقبہ بہت کم ہے۔لوگ زراعت کو بچانے کی خاطر اپنے گھر، پہاڑوں اور ڈھلوانوں پر بناتے ہیں، آبادی میں زیادہ تر پتھر اور لکڑی استعمال ہوتی ہے۔پرانی آبادیاں تو "چوبی عمارات" کہلائے جانے کی مستحق ہیں۔

دیر شہر پر اجنبی اور سیاح جب نظر ڈالتے ہیں تو چوبی شہر دیکھنے سے انہیں اچنبھا سا ہونے لگتا ہے۔نئی آبادیوں میں سیمنٹ اور سریئے کے استعمال نے لکڑی کی کھپت کو قدرے کم کیا ہوا ہے۔

کوہستانی دروں میں برف باری کی وجہ سے لوگ ٹن کی چھتیں استعمال کرتے ہیں۔دیر شہر میں بھی ٹین یا جستی چھتوں کا استعمال عام ہے۔اب نئی آبادیوں پر کنکریٹ کی چھتیں ڈالنے کا رواج ہو چلا ہے۔

۲۔ دیر زیریں میں برفباری کم ہونے کی وجہ سے آبادیاں میدانی علاقوں کی عمارات کی طرح ہیں......ویسے بھی دیر زیریں پر مالاکنڈ ایجنسی اور سمہ (مردان، پشاور) کا اثر زیادہ ہے۔ وہاں کے لوگ شمالی علاقوں کی بہ نسبت جنوبی علاقوں سے زیادہ متاثر ہیں۔

مجموعی تصویر

ثقافت کے اس مختصر جائزے سے جو تصویر ابھرتی ہے وہ دیر کی تصویر ہے تاہم دیر کی ثقافت کو اجاگر کرنے کے لیے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے جس میں رسوم ورواج کے علاوہ، دیر کے لوگوں کی زندگی کے تمام جزئیات کا احاطہ کیا گیا ہو جس کے لیے کسی باہمت لکھاری کی ضرورت ہے۔

ضلع دیر کے اکثر قصبات ودیہات کے نام سنسکرت زبان سے تعلق رکھتے ہیں۔کچھ نام انتہائی قدیم زبانوں (دراوڑی گروپ) کے ہیں۔ترکی زبان کے بھی چند نام ہیں۔دو ایک فارسی کے ہیں اور بہت کم نام پشتو زبان سے تعلق رکھتے ہیں۔

ہمیں جن ناموں کے معنی یا پس منظر معلوم ہوا ہے ان کا ایک جدول آسانی کے لیے پیش خدمت ہے۔

نام	زبان	مطلب
۱۔اباکھنڈ	سنسکرت	بڑی آبادی، آبادیوں کا باپ
۲۔اسبنڑ	ہندی	اسمن۔گھوڑوں کا جنگل
۳۔باکھنڈی	سنسکرت	اباکھنڈی، بڑی آبادی
۴۔براہول	سنسکرت	چیتوں کی سرزمین
۵۔بیبیوڑ	سنسکرت	بیہاڑ، پہاڑ کا نام
۶۔تل	پشتو	میدان
۷۔تیمرگرہ	ہندی	تیمرگرہ ضلع دیر کی کم عمر بستی ہے۔۱۸۶۰ء میں اس کا نام نشان نہ تھا۔

آثار قدیمہ

پرانی آبادیوں کے آثار یا تو مٹ گئے ہیں اور جو کچھ بچے ہیں وہ خستہ حالت میں ہیں۔ دیر بالا میں مختلف علاقوں کھنڈرات کے نشانات باقی ہیں جن پر محکمہ آثار کی طرف سے توجہ نہیں ہوئی۔

البتہ دیر زیریں میں کچھ کام ہوا چنانچہ تیمر گرہ کے بلامبٹ کا ذکر گزر چکا ہے۔

اس کے علاوہ تیمر گرہ کے جنوب مغرب میں پتھر کے زمانے کے بے شمار آلات جنگ و زراعت دریافت ہوئے ہیں۔ چکدرہ اور طوطہ کان میں بدھ مت کی عمارات کے علاوہ ہندو شاہیہ کے طرز تعمیر کی کچھ دیواریں قصہ ماضی سناتی ہیں۔ گل آباد کے قریب بدھوں کی ایک خانقاہ کی باقیات دیکھنے والوں کو دعوت نظارہ دیتی ہیں۔

اقتصاد

دیر کا اقتصاد زراعت و جنگلات کا مرہون منت ہے۔ میوہ جات کے علاوہ دستکاری کے بہترین نمونے یہاں کی پیداوار میں شامل ہیں۔ اب بڑے بڑے بازار بن گئے ہیں جن میں ہر قسم کی تجارت ہوتی ہے۔

معدنیات

دیر کا پچاس فیصد حصہ پہاڑوں پر مشتمل ہے اور یہ پہاڑ ہر قسم کے معدنیات سے مالا مال ہیں۔

لوہا، سوف سٹون کے علاوہ یہاں دیگر معدن بھی بکثرت پائے جاتے ہیں مگر اب تک باضابطہ طور پر ان معدنیات کو کام میں نہیں لایا گیا ہے۔

ریت، بجری، پتھر اور کرش کے پلانٹس کام کر رہے ہیں، آبادی بڑھ رہی ہے اور عمارات کھڑی کی جا رہی ہیں۔

سیاحت

دیر تو ویسے خوبصورت اور زرخیز علاقہ ہے مگر دیر بالا کا کمراٹ اپنے قدرتی حسن کے لیے ملک بھر میں مشہور ہے۔ یہ سو میل لمبا درہ ہے جو سرسبز و شاداب جنگلات سے اٹا پڑا ہے۔ ہر درہ کے

آخری سرے پر جھیل واقع ہے۔ دیر زیریں میں کوہ لڑم سیاحتی مقام ہے جہاں سڑک کے راستے ہزاروں سیاح آتے رہتے ہیں۔ اسی طرح شاہی بھی ایک صحت افزا مقام ہے جہاں ایک خوبصورت جھیل بھی ہے۔

☆......☆......☆

کتابیات

اردو

کتاب	مصنف
۱۔ ارض پاکستان کی تاریخ	رشید اختر ندوی
۲۔ شمالی پاکستان	رشید اختر ندوی
۳۔ بابر نامہ (ترجمہ)	رشید اختر ندوی
۴۔ کالام، کوہستان	محمد پرویش شاہین
۵۔ سہ ماہی ادبیات (مقالہ)	محمد پرویش شاہین
۶۔ تواریخ حافظ رحمت خانی (اردو)	خان روشن خان
۷۔ افغان	اللہ بخش یوسفی
۸۔ پٹھان (ترجمہ پشتو اکیڈمی)	اولف کیرو
۹۔ تاریخ گوجراں	شیر محمد
۱۰۔ تاریخ ہزارہ	ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی
۱۱۔ سوات۔ تاریخ کے آئینے میں	فضل ربی راہی
۱۲۔ ریاست دیر (تاریخ کے آئینے میں)	حبیب الرحمان حبیب
۱۳۔ رواں دواں دیر	ڈسٹرکٹ کونسل دیر
۱۴۔ کامران (میگزین)	گورنمنٹ ڈگری کالج تیمر گرہ
۱۵۔ تاریخ چترال	منشی عزیز الدین
۱۶۔ تاریخ چترال	عنایت اللہ فیضی اور رفقاء

کتاب	مصنف
۱۷۔ اکبر نامہ (ترجمہ)	ابوالفضل
۱۸۔ ماہنامہ احساس (پشاور)	موسیقی نمبر
۱۹۔ پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء	سبط حسن
۲۰۔ قدیم ہندوستان کا سماجی و سیاسی پس منظر (ترجمہ)	ڈی۔ ڈی کوسمبی
۲۱۔ تاریخ اسلام	حمید الدین
۲۲۔ رود کوثر	شیخ محمد اکرام
۲۳۔	موج کوثر شیخ محمد اکرام

۲۴۔ مختصر تاریخ گرجر — رانا علی حسن چوہان

۲۵۔ شاہان گوجر — مولانا عبدالمالک خان چوہان

۲۶۔ گوجری زبان و ادب — ڈاکٹر صابر آفاقی

پشتو

کتاب	مصنف
۱۔ پشتانہ د تاریخ پہ رنڑا کے	بہادر شاہ ظفر کاکاخیل
۲۔ نوے دیر	محمد اسلم احملی
۳۔ تواریخ حافظ رحمت خانی	مظفر شاہ
۴۔ سوات نامہ مرتبہ	ہمیش خلیل
۵۔ لرغونی آریایان	خیر محمد ساد
۶۔ پشتو خوارلس سوہ کالہ پخوا	مقالہ الحی حبیبی

فارسی

کتاب	مصنف
۱۔ تذکرۃ الابرار والاشرار	اخون درویزہ
۲۔ فارسی قاموس	

ENG

1. Ancient pakistan III	Dr, H. Dani
2. Ancient pakistan IV	Dr, H. Dani
3. Punjab Castes	Sir Denzil
4. Notes on N.W.F.P & Balcuchistan	Maj, Raverty
5. Dictionary of Pakhto	Maj, Raverty
6. Report on Yousafzai	Dr, W. Bellew
7. The nationalites of pakistan	Uri, Gangovsky
8. Documents on Dir-3	Dir Museum at chikdara
9. Pakistan	Ghani Khan
10. Swat Bajaure & Dir Tribes	Makmchsan
11. Thr relief of Chitral	Young Husband
12. Hyder Abad Review V, VII	
13. Peshawar Gazzetir	Govt of Pakistan
14. Notes on N.W.F.P	Punjab Govt
15. Indian M ythology	Vernica
16. Dictionary of classical Hindi	T. Platts

پروفیسر جمیل یوسفزئی کی کتب

- مملکت یوسفزئی کے قبائل (تاریخ)
- پشتون ایرانی نژاد (تاریخ)
- تاریخ دیر
- پشتو انشائیہ
- گجر اور یوسفزئی تہذیب
- خوشحال خان کے سرقات (تاریخ)
- یوسفزئیوں کے نام اور ان کا پس منظر
- سادات یوسفزئی
- یوسفزئی تہذیب (سلوی مسٹی میں)
- افغان تاریخ فقیہہ الملغت
- رحمان بابا (خواجہ حافظ کا ہمرکاب)
- رزڑ (انشائیے)
- پشتو میں فارسی کے ضرب الامثال اور محاورات

- الغزالی
- القانون
- تعلیم بارے بلند رتبہ مطالعہ
- ووٹ کا استعمال

- خوندٹوٹے (بچوں کے لئے)
- پہ پپر سنڈا (مزاح)
- شیخو ممد (مزاح)
- خوشالیا نو یو خوار خونہ
- خوندٹوٹے (مزاح)
- الغزالی
- القانون
- تعلیم بارے بلند رتبہ مطالعہ
- ووٹ کا استعمال
- لیش (شاعری)